دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد نمبر : ۴ — شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ

شمارہ نمبر : ۲ — نومبر ۱۹۶۸ء

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان : سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان : سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک : سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمتِ خداوندی کا موسمِ بہار "شہر رمضان المبارک" ملّتِ محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔ رمضان کیا ہے ؟ انوار و برکاتِ الٰہی کے فیضان کا مہینہ۔ تجلیاتِ ربّانی کا مظہر — رحمتہائے واسعہ کا ظہور اور نعمتہائے متوالیہ کا ابرِ نیسان — رمضان ربّ رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نکتہ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کیلئے قرآن کریم جیسا نسخہ شفاء اور اکسیرِ ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہِ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں رب العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی نعمتوں اور نوامیس کی تکمیل فرمائی — رمضان مومنین کے پژمردہ دلوں کیلئے حیاتِ نو کا پیغام اور عبادِ مقربین کیلئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمتکدوں میں ویرانی آجاتی ہے — ایمان و تقوٰی کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں۔ اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں — ماہِ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے — رمضان حدیثِ یارؐ کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوب و مطلوبؐ سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہد وصال ہے — رمضان جسکی آخر شب میں ربّ کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات — پوری انسانیت — اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کیلئے وا کر دیتا ہے۔ اور اپنے مالکِ حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام ہوتی ہے — الامن مستغفرٍ فاغفر لہٗ الامن مسترزقٍ فارزقہٗ الامبتلیً فاعافیہ الاکذا الاکذا۔ (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلبگار کہ میں اسے بخش دوں ، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانۂ غیب سے رزق کے دروازے کھولدوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے جسے میں نعمتِ عافیت سے نواز دوں —

پھر اس کے افطار کا وقت — سبحان اللہ — وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلّی کا وہ مقامِ معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گوناگوں مسرتوں اور لقاء ربّ کے لمحات — للصائم فرحتان فرحۃ عند فطرہٖ فرحۃ عند لقاء ربہٖ۔ (الحدیث)

روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہیں ایک وقت افطار کی خوشی اور ایک اپنے رب کی زیارت اور وصال کی مسرت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یومِ مشاہدۂ جمال ہے ۔۔۔ ع

ہر شب شبِ قدر ست اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے۔ جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے جس میں ساری کائنات "ذو الجلال والکبریاء" معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اسکی تسبیح و تحمید میں ڈوب جاتی ہے مگر ایک عاشقِ زار کیف وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کان لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ کا نغمۂ عجز و قصور اسکی زبان پر ہوتا ہے ۔۔۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربہم من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر ۔۔۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوزِ دروں سے بیتاب ہو کر رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش و اقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما دیتا ہے۔ اور جب تک رضا و وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانہ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا ۔۔۔ سوز و ساز ۔۔۔ امید و بیم، درد و تڑپ، اضطرار و التجاء اور تقلیل طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلہ کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں ۔۔۔ پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عمل قلیل اور بضاعۃ مزجاۃ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبلِ احد جتنا مقام پالیتی ہے۔ ہمارے نوافل فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہ ایزدی سے براہ راست ملتا ہے۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کیلئے تو ہے۔ اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضامندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں ۔۔۔ پھر اس شہرِ مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں، بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اسکی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات اور ایمان آفریں نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواحش زور

بے ہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ ریا وعجب۔ غرض تمام بُرے افعال کی آلائش سے پاک رہے کہ جب حلال سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں۔؟ اور اگر یہ عمل ایمان واحسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں ـــــ تو یہ تو صرف بھوک و پیاس ہے جس سے اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ (البخاری) اور کتنے صائم النہار وقائم الیل ہیں کہ جن کے پلے بجز پیاس اور مفت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا۔ (الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔ (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے جب تک روزہ دار اسکو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ)

یہ مہینہ سراپا وعظ ونصیحت اور اسکا ہر پہلو صدہا نصیحتوں سے لبریز ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے۔ کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ وشہوات کو ترک کر دیا۔ اسطرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر وگریز کی آئینہ دار ہوگی۔ یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدوِ اکبر اور اسکا مقابلہ جہادِ اکبر ہے، اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدوِ اصغر کافر ومشرک کی شکست تو آسان بات ہے ـــــ یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و انفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہر مواساۃ کہا، یعنی غمخوارگی کا مہینہ ـــــ "جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لٹائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطاری کرا دے تو اسکی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پالے گی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائیگا جس روزہ دار نے کسی بندۂ خدا نوکر یا غریب کا بوجھ ہلکا کیا۔ اللہ تعالیٰ اسکی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا" (الحدیث عن سلمان الفارسیؓ) ـــــ غرض یہ شہر رمضان کیا ہے۔؟ سراپا نور و رحمت، سراسر خیر وبرکت، تہذیبِ نفس، تنقیحِ اخلاق، اصلاحِ اعمال، مجاہدہ وریاضت کا مہینہ، ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے اور جلاءِ باطن اور تزکیۂ روح کا موسم بہار ـــــ کتابِ مبین "قرآن کریم" کے پیش کردہ نصاب ونظام کی عملی ٹریننگ کے ایام تاکہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ـــــ

شہر اولہ رحمۃ ـــــ واوسطہ مغفرۃ ـــــ وآخرہ عتق من النار

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

سمیع الحق

درس حدیث
ضبط و ترتیب : ادارہ الحق

ارشادات حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مقاماتِ عبدیت و الوہیت

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم حقانیہ میں اپنی تشریف آوری کے موقع پر طلباء و اساتذہ دارالعلوم کی خواہش پر بروز اتوار ۲۰ر رجب ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۸ء دارالحدیث ہال میں بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پر نہایت حکیمانہ اور عالمانہ درس دیا دارالحدیث اور اس کے باہر برآمدے اہل علم و فضل سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ ہال پر ایک عجیب نورانی فضا چھائی ہوئی تھی۔ علوم و معارف قاسمیہ کا یہ فیضان نماز عصر تک جاری رہا۔ یہ تقریب ایک گونہ دارالعلوم کی طرف سے استقبالیہ تقریب بھی تھی، اس لئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف سے دارالعلوم کے مدرس مولانا شیر علی شاہ نے عربی زبان میں ایک فصیح و بلیغ سپاسنامہ بھی پیش کیا۔ حضرت حکیم الاسلام مظہر انوار قاسمیہ مدظلہ کی تقریر کے تمہیدی کلمات اپنے اور اکابرین دیوبند کی تواضع، عجز، انکساری اور بےنفسی کا آئینہ ہوگئے ہیں ——— حضرت مدظلہ کا درس اس وقت ٹیپ ریکارڈ سے محفوظ کر لیا گیا اور اب اسے من و عن قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ——— ادارہ ———

حدثنا الحمیدی (الی قولہ) سمعت عمر بن الخطابؓ علی المنبر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امراۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ ——— عن ابی ھریرۃؓ قال قال النبیؐ کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

بزرگانِ محترم! یہ مجلس کسی وعظ یا تلقین کی، یا کوئی اجتماع عام نہیں ہے بلکہ مجلس درس ہے۔ اور اس لئے میں نے صحیح بخاری کی دو حدیثیں تلاوت کی ہیں۔ ایک بالکل ابتدائی اور ایک بالکل انتہائی ——— ابتداء اور انتہا کے بیچ میں ہوتا ہے وسط کا حصہ۔ تو اس اعتبار سے تقریباً

پوری بخاری میں نے آپ کے سامنے تلاوت کردی معنیً دیکھا

تمہید | سپاس نامہ میرے لئے دستاویز ہے، دنیا و آخرت کی نجات ہے۔ اس لئے کہ پیش کرنے والے، جن کا نام مبارک لیا گیا، حضرۃ مولانا (عبدالحق) مدظلہ ہیں۔ میں انہیں اپنے اساتذہ کے طبقے میں سمجھتا ہوں۔ اس لئے ان کا سپاسنامہ درحقیقت شفقت نامہ ہے۔ سپاسنامہ تو کسی چھوٹے کیطرف سے ہوتا ہے۔ بڑوں کیطرف سے محض شفقت اور حوصلہ افزائی اور اظہار برکت کے لئے ہوتا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ: انتم شہداء اللہ فی الارض۔ تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو اگر یہ کاری گواہ کسی برے کی نسبت بھی شہادت دے کہ وہ اچھا ہے تو وہ عنداللہ اچھا ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان حضرات کی شہادت اور ان کی کریم النفسی یا حوصلہ افزائی میں اسے سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ کی زبان ہے، اہل اللہ کی زبان سے جو کچھ ادا ہو رہا ہے وہ انشاءاللہ من اللہ ہے۔ اور میں کتنا ہی نالائق سہی لیکن جب ایسے پاکیزہ لوگ گواہی دیں گے تو توقع کی اللہ کے ہاں کیا بڑی بات ہے کہ اللہ کسی نالائق کو لائق بنا دے کسی برے کو اچھا بنا دے۔ لیکن درس کے مناسب حال نہیں تھا سپاسنامہ۔

اس کے علاوہ میں یہاں دارالعلوم حقانیہ حاضر ہوا تو میں اسے اپنا گھر سمجھتا ہوں، اور میں یوں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند میں بیٹھا ہوا ہوں، میں تو خود آپ کے گھر کا ایک جز ہوں۔ تو اپنے گھر میں کسی کو سپاسنامہ تھوڑا ہی دیا جاتا ہے، یہ تو غیر کو دیا جاتا ہے

ہماری برادری | برادری منتشر ہے مختلف جگہوں میں، لیکن افراد کے انتشار سے خاندان منتشر نہیں ہوتا، علمی خاندان ہمارا بھی ایک ہی ہے، اجزاء اس کے منتشر ہیں، کچھ دیوبند کچھ پاکستان میں کچھ برما میں کچھ افریقہ میں۔ وہ سارے افلا ذکبد ہیں جو مختلف جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں اصل ہم سب کی ایک ہی ہے جسکو دارالعلوم دیوبند کہا جاتا ہے، اس واسطے جیسے آپ اسکی شاخیں ہیں۔ میں بھی اس کی ایک شاخ ہوں۔ تو میں اپنی برادری میں آیا، بھائیوں میں آیا، اور بھائیوں میں سپاسنامہ عزت افزائی تو الگ چیز ہے، مگر ایک رسمی سی بات ہے۔ لیکن چونکہ اہل الحق پیش کر رہے ہیں، اس لئے اسے رسم بھی نہیں سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں یہ حقیقت ہے اور جو کچھ ارشاد فرمایا گیا یہ اعماق قلب سے ارشاد فرمایا۔ یہ زبان اور قلم نے حرکت نہیں کی۔ بلکہ دل کی حرکت ہے۔ اور دل سے جب ایک چھوٹے اور نالائق کو اچھا کہا گیا۔ تو انشاءاللہ وہ عنداللہ اچھا بن جائے گا۔

تو میں نے اس وقت بجائے کسی تقریر کے جو جلسے کا موضوع ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کے

دو حدیثیں تلاوت کیں ، اور اسی سلسلے میں چند کلمات طالبعلموں کے سامنے گذارش کروں گا۔
میرے مخاطب یہ حضرات اساتذہ نہیں ہیں۔ یہ تو خود میرے استادوں کے طبقے میں ہیں۔
میری بات چیت طلبہ سے ہے جو برادری کے بھائی ہیں ـــــ علم میں بیشک آپ مجھ سے
افضل ہیں۔ تازہ ہے علم ۔ اور مجھے تو پڑھے ہوئے بھی ہوگئے چالیس برس ، بھول بھال بھی گیا
کہ کیا پڑھا تھا ، انتظامی سلسلے کے جھگڑوں میں پھنس کر وہ نوعیت بھی نہیں رہی۔ تو اس واسطے
ایک بھائی تو ہوں ، مگر ایک جاہل قسم کا بھائی ہوں ۔ آپ بحمداللہ علماء ہیں ، علم تازہ ہے ۔ تاہم چونکہ
آپ نے اس جگہ بٹھلا دیا ، اس واسطے اسی کے مناسب حال یہ روائتیں میں نے تلاوت کیں۔

امام بخاریؒ اور انکی کتاب کی عظمت | امام بخاریؒ کی جلالت شان اور جلالت قدر اس سے
کون مسلمان ناواقف ہے۔ اور اہل علم میں کون ہے جو ناواقف ہو۔ اور ان کی تصنیف یا
تالیف صحیح بخاری اسکی عظمت وجلالت پوری امت پر واضح ہے۔ امت نے اجماعی طور پر
تلقی بالقبول کی ہے ، اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس لئے
مؤلف بھی جلیل القدر ۔ کتاب بھی جلیل القدر ۔ اور کتاب کا جو موضوع ہے وہ ہے حدیث یعنی
کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واقوالہ وتقریراتہ ۔ اس لئے موضوع بھی مبارک ، مصنف بھی
مبارک ، تصنیف بھی مبارک ۔ حق تعالیٰ ہم سب کو بھی مبارک بنا دے ۔ کہ جب ان کے سلسلے
سے ہم سامنے آرہے ہیں۔

امام بخاریؒ کی یہ صنعت تمام محدثین میں امتیازی طور پر معروف ہے ۔ نسائیؒ کو کہتے ہیں
کہ انہوں نے کچھ نقش قدم اختیار کیا امام بخاریؒ کا ۔ مگر بہر حال اصل اصل ہے اور فرع فرع ہے۔
صحیح بخاری کی ، یہ بہت اونچی چیز ہے ۔ اور تراجم البخاری یہ تو فی الحقیقت فقہ کا ایک مستقل باب
ہے۔ فقہ البخاری فی تراجمہ ـــــ تو امام بخاریؒ محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی ، اور اجتہاد کے رتبے
کو پہنچے ہوئے ہیں ۔ اس لئے میں نے تبرکاً پہلی حدیث بھی تلاوت کی ، اور آخر کی بھی تلاوت کی۔

عمل اور اس کے درجات | دونوں روایتوں کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرنے کا
موقع نہیں ، نہ وقت ہے ، نہ اب اتنی طاقت ہے ۔ لیکن اتنی بات بالاجمال میں عرض کئے دیتا
ہوں کہ آدمی کے لئے عملی دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں ، ایک عمل اور ایک اس کا ثمرہ ۔ اور پھر عمل کے
درجے میں بھی دو چیزیں ہیں ۔ ایک مصدرِ عمل اور ایک مظہرِ عمل ۔ مصدرِ عمل وہ چیز ہے جس سے
عمل شرعی صادر ہوتا ہے ، ظہور پذیر ہوتا ہے ۔ اور مظہرِ عمل وہ ہیئت کذائی ہے عمل کی جس میں

رہ کر ہم اور آپ عمل انجام دیتے ہیں۔ تو مصدرِ عمل درحقیقت نیّت ہے انسان کی کہ جس سے عمل سرزد ہوتا ہے۔ اور عمل کی قبولیت، نامقبولیت اسی نیّت پر موقوف ہے۔ اچھے سے اچھا عمل ہو۔ لیکن نیّت خراب ہو وہ برا بن جاتا ہے۔ اور برے سے برا عمل ہو، لیکن وہ نیّت کی صحت سے انجام پائے تو آدمی کبھی موردِ ملامت نہیں ہوتا۔ وہ عمل بھی مقبول ہو جاتا ہے۔ اس لئے سب سے بڑی چیز نیت ہے۔ کہ جس سے عمل کا صدور ہو۔ اور ایسے پاک عمل کا ثمرہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں جو میزانِ عمل ہے وہ بھاری پڑ جائے۔ نیک اعمال ہی سے وزن پیدا ہوگا میزان میں۔ برے اعمال کا وزن نہیں ہے۔ بلکہ بروں کو تولنے کی بھی ضرورت نہیں، جب اچھے اور برے جمع ہوں گے تو بھی ضرورت پڑے گی تولنے کی۔ تاکہ توازن قائم ہو جائے تو کفار کے اعمال تلنے کی حاجت نہیں وہ تو کفر میں مبتلا ہیں۔ ہر عمل ان کا ناپاک ہے مصدر کی وجہ سے۔ تو عمل اس دنیا میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک مصدرِ عمل اور ایک ثمرۂ عمل۔ تو امام ہمامؒ نے ابتدا میں حدیث نقل کی نیّت کی۔ کہ انما الاعمال بالنیات وانما لامریٔ مانوی۔ الخ

عنداللہ عمل کی مقبولیت کی بنیاد | تو نیّت گویا بنیاد ہے، عمل کا ظہور درحقیقت اسی نیت سے ہوتا ہے۔ قبولیت بھی اسی نیّت پر موقوف ہے۔ یہ الگ چیز ہے کہ بعض اعمال بلا نیّت کے صحیح ہو جائیں، اور معتبر مان لے شریعت۔ لیکن اجر و ثواب آخرت کا بغیر نیت کے مرتب نہیں ہوگا۔ وضو اگر آپ بلا نیت کے بھی کریں تو مفتاحِ صلوٰۃ تو بن جائیں گی، لیکن اجر مرتب نہیں ہوگا جب تک کہ نیّت نہ ہو۔ حضور کے اندر تو عنداللہ قبولیت کا معیار درحقیقت نیت پر ہے۔ صحت کا معیار فتویٰ ہے۔ اس میں بعض اعمال بغیر نیت کے صحیح بھی نہیں ہوتے۔ بعض صحیح ہو جاتے ہیں گو ان پر اجر مرتب نہ ہو۔

ہمارے اعمال میں نیّت کا حصہ | بہرحال قدرِ مشترک کے طور پر نیّت بنیادی چیز ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ نیّۃ المرء خیر من عملہ۔ نیّت آدمی کی اس کے عمل سے بہتر ہے۔ بعض احادیث میں فرمایا گیا کہ یومِ محشر میں بعض لوگ حاضر ہوں گے، حق تعالیٰ فرمائیں گے ملائکہ سے کہ لکھ دو انہوں نے عمر بھر تہجّد پڑھی ہے، عرض کریں گے ملائکہ کہ انہوں نے ایک دن بھی تہجّد نہیں پڑھی۔ فرمایا روزانہ سوتے وقت نیّت کرتے تھے آج ہم پڑھیں گے، مگر آنکھ نہیں کھلتی تھی لہذا لکھ دو کہ ساری عمر انہوں نے تہجّد پڑھی۔ تو نیّت انسان کی بنیاد ہے عمل کی، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے۔ کہ آدمی پہلے عمل دل سے کرتا ہے، پھر ہاتھ پاؤں سے، اور وہی

دل کا عمل بنیاد ہے، جس سے ہاتھ پیر کا عمل ظاہر ہوتا ہے۔ تو قلب سے عمل کرنے کی صورت نیّت ہے، اور قلب سے عمل کرنے کی ہیئت کذائیہ ہے، جو شریعت نے ارشاد فرمائی۔ تو پہلے ہر عمل قلب سے ہوتا ہے۔ اور پھر قالب سے انجام پاتا ہے، اور وہ قالبی عمل منطبق ہوتا ہے، اس باطنی عمل پر۔ رخ ہیں دو۔ عمل ہے درحقیقت ایک۔ باطنی رخ اس کا نیّت ہے۔ اور ظاہری رخ اسکی وہ ہیئت عمل ہے۔ تو امام ہمام نے سب سے پہلی حدیث ایسی بنیادی نقل کی، کہ کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیّت کا دخل نہ ہو، اور اس کے اجر و ثواب کا تعلق نیّت سے نہ ہو۔ ترتیب یوں ہوگئی کہ پہلے نیّت درست کرادی، اس کے آگے ابواب ایمان، ابواب علم، پھر ابواب زکوٰۃ اور دیگر ابواب بیان کئے۔ ان سب کا مصدر نیّت ہی بتلا دیا۔ تو کلاً وہ سارے ابواب اس کے نیچے آ گئے۔

اعمال پر اجر کا ترتب | اخیر میں چیز تھی عنداللہ قبولیّت اور اجر کا ترتب۔ تو حدیث نقل کی:-

کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

دو کلمے ہیں جو زبان پر نہایت ہلکے، ان کے ادا کرنے میں نہ وقت لگتا ہے، نہ دشواری۔ ایک کلمہ سبحان اللہ و بحمدہ اور دوسرا کلمہ سبحان اللہ العظیم۔ ہلکے ہلکے دو کلمے جو ادائیگی میں نہایت ہلکے، زبان پر نہایت لطیف، لیکن ثقیل ہیں بلحاظ اجر کے۔ میزان عمل کے اندر جو وزن ان کا ہوگا، وہ دوسرے اعمال کا نہیں ہوگا۔ کیوں ہیں یہ وزنی ——؟

مقامات الوہیت | بناء وزن کی درحقیقت یہ ہے ان کے ثقیل ہونے کی کہ اس حدیث میں مقامات الوہیت کا بیان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اتنے عظیم ہیں کہ کائنات کی کوئی چیز مخلوق کے لگ بھگ بھی نہیں ہو سکتی، تو انتہائی بات یہ ہے کہ مقامات الوہیت ان دو کلموں کے ذریعہ بیان فرمایا۔ گویا یوں کہنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ اجزا سے پاک ہے، وہ نہ بسیط ہے، نہ مرکب۔ ہر چیز سے وراء الوراء۔ لیکن مقامات حق تعالیٰ شانہٗ الوہیت کے۔ وہ ظاہر بات ہے کہ لامحدود ہیں۔ حد کمال انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے۔

مقام تنزیہ | حق تعالیٰ کے مقامات میں سب سے پہلی چیز ہے، تنزیہ۔ یعنی ہر عیب سے پاک۔ ہر برائی سے بری۔ ہر کمال کا سرچشمہ۔ تو حق تعالیٰ کا تنزیہ اور اسکی پاکی بیان

کرنا یہ ظاہر ہے کہ مقامات الوہیت میں سے ایک مقام ہے۔ خدا کہتے ہی اسی ذات کو ہیں جو ہر برائی سے پاک ہو۔ الخیر کلہ منک والیک والشر لیس الیک۔ ہر خیر کا سرچشمہ وہ ہے اسی سے خیر چلتی ہے۔ ہر شر سے بری و بالا ہے ۔۔ ذات بھی پاک ہے سر سے اور باہر کی شر بھی وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ تو وہ ہر حیثیت سے وراء الوراء ہے۔ تو پہلا مقام الوہیت کا یہ ہے کہ وہ خدا ذات برتر کہ پاک ہو ہر عیب سے۔ ظاہری، باطنی، خفی، جلی، کوئی شائبہ عیب کا نقص کا وہاں تک نہیں جاسکتا۔ اسی کو کہا جاتا ہے تنزیہ۔ اور تنزیہ کے لئے شریعت نے جو کلمہ رکھا ہے، وہ ہے کلمہ تسبیح کا۔ یعنی سبحان اللہ، کہ اللہ پاک ہے ہر عیب سے۔ تو پہلی چیز مقام الوہیت میں تنزیہ ہے۔ اور سبحان اللہ کہنا یہ گویا اشارہ ہے کہ ہم پاکی بیان کر رہے ہیں حق تعالیٰ کی۔ ظاہر بات ہے جب ایک ذات بابرکات وہ ہے جو ہر عیب سے پاک اور بری ہے۔

اب آگے رہ جاتی ہیں خوبیاں، تو جہاں بھی جو خوبی ہے، وہ اسی کی ذات کی آئے گی۔ اگر علم آپ دیکھیں گے۔ تو اصل علم حق تعالیٰ کا ہے۔ اس کا پرتو پڑتا ہے، تو دوسرے عالم کہلانے لگتے ہیں، قدرت درحقیقت اس کی ہے اس کا پرتو پڑا تو ملائکہ قادر کہلانے لگے، کہ پل بھر میں آسمان سے زمین اور زمین سے آسمان پر۔ علم ان کا حقیقی، اصلی اور ذاتی ہے، اس کا پرتو ہم آپ بھی عالم کہلانے لگے۔ اور مظہر علم انسان کو بنا دیا حق تعالیٰ نے۔ رفیع المرتبہ اور رفعت اور عظمت ان کی شان ہے۔ اس کا کوئی پرتو آسمانوں پر پڑا تو رفعت والے ہو گئے۔ تمام اونچے بن گئے اور برتری ان کی ثابت ہو گئی ۔۔ تو سرچشمہ کمالات کا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ حمد و ثنا کمال پر ہی کی جاتی ہے۔ نقص اور عیب پر کوئی کسی کی حمد و ثنا نہیں کرتا۔ تو حمد و ثنا کے معنی یہ ہیں کہ جمیل اختیاری پر حمد کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہ، تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔ ساری برکتوں کا مصدر۔ اس لئے تعریفیں بھی اسی کے لئے ہوں گی، حمد و ثنا بھی اسی کے لئے ہو گی۔ جسکی بھی ثنا کی جائیگی وہ درحقیقت انجام کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ثنا ہو گی۔ کیونکہ اسی کا کمال تھا جو ظاہر ہوا کسی دوسرے میں، تو حمد و ثنا کے اظہار کا طریقہ درحقیقت تحمید ہے، اور اس کے لئے الحمد للہ کا کلمہ رکھا گیا۔ تو سبحان اللہ کا کلمہ ہے تنزیہ بیان کرنے کے لئے۔

مقامِ تحمید | دوسرا مقام ہے تنزیہ کا، عظمت بیان کرنے کا۔ اس لئے تحمید رکھی

گئی ہے، اور کلمہ رکھا گیا الحمد للہ ۔ اس واسطے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا گیا مختلف عنوانوں سے، فسبحوہ بکرۃً وعشیاً۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیاً وحین تظہرون ۔

تو تسبیح اور تحمید، حمد اور تسبیح کرنا جگہ جگہ اس کا ذکر گیا۔ تو سبحان کا کلمہ مقامِ تنزیہ کو ظاہر کرتا ہے، اور الحمد للہ کا کلمہ مقامِ تنزیہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اب ظاہر بات ہے جو ذاتِ اقدس ہر عیب سے بری اور ہر کمال کا سرچشمہ ہو تو عظمت اور بڑائی بھی اسی کے لئے ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ عظمتوں کا سرچشمہ تو وہ ہو اور بڑھائی کسی اور کی ہو جائے عظمت اور کبریاء کسی اور کیلئے ہو۔

جو درحقیقت مصدر ہے کمال کا وہی مستحق ہے حمد و عظمت کا، کہ کبریاء و عظمت اسی کی بیان کی جائے۔ اس لئے اسلام نے عنوان رکھا تکبیر کا، اور صیغہ رکھا اس کے لئے اللہ اکبر کا، تاکہ اللہ کی عظمت بیان کی جائے کہ اکبر من کل شئی ۔ ہر چیز سے وہ بڑا ہے۔ اور نہ صرف اضافتہً بڑا ہے۔ بلکہ حقیقتہً بڑا ہے کہ بڑائی ہے وہی اس کے لئے، جسمیں کوئی بڑائی آئی ہے، اس کے نامزد ہو گیا کوئی تو اس میں بڑائی آگئی۔ اس کے نام سے کٹ گیا، اس میں بڑائی ختم ہو گئی، تو بڑائی اور عظمت و کبریاء درحقیقت اسی کے لئے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، فرمایا گیا: الکبریاء ردائی والعظمۃ ردائی فمن نازعنی فیہا قصمتہ ۔ تکبر میری چادر ہے۔ بزرگی میری لنگی ہے۔ جو بھی اس میں کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دونگا۔ اسکو نیچا دکھلاؤں گا۔ تو یہ برداشت نہیں کہ کبریاء و عظمت میں کوئی شریک ہو۔ وہ وحدہٗ لاشریک کیلئے ہے تو لہ الکبریاء فی السموات والارض اس کے لئے بڑائی و عظمت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب یہاں ذرا سا ایک طالب العلمانہ شبہ پیدا ہوگا، یا ہوا ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ حدیث میں حکم ہے: تخلقوا باخلاق اللہ ۔ اللہ کے اخلاق سے متخلق بنو۔ وہ کریم ہے تو تم بھی کریم بنو۔ وہ رحیم ہے تو تم بھی رحیم القلب بنو۔ وہ حافظ، وہ حفیظ ہے تو تم بھی اپنوں کی نگہداشت کرو۔ وہ معطیٔ حقیقی ہے تو تم بھی فقیروں کے ہاتھ پر رکھو اور اختیار کرو۔ تو اللہ تعالیٰ کے کمالات سے متکمل بھی بنو، اور اس کے اخلاق متخلق بھی بنو۔ تو شبہ یہ ہوتا ہے کہ متکبر بھی تو اسکی شان ہے، اس میں بھی تخلق ہونا چاہیئے، ہر شخص متکبر بنے، ورنہ کریم النفس بننے سے بھی روکا جائے۔ رحیم ہونے سے بھی روکا جائے۔ اس میں بھی شرک ہوگا۔ تو پھر

اگر ہم تکبر کریں تو ملامت کیوں کی جاتی ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اللہ کے اخلاق سے متخلق
بننا تو عین کمال ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ تکبر کرنا معاذ اللہ بری بات نہیں ہے۔ نہ کبر بری
چیز ہے وہ تو صفتِ خداوندی ہے تکبر کرنا برا نہیں ہے، جھوٹ بولنا بری بات ہے جو
اللہ کے سوا کہے گا میں بڑا ہوں جھوٹا ہوگا، جھوٹ بولے گا ــــ تو جھوٹ بولنے سے روکا گیا۔
اب ایک ہی ذات کے لئے تکبر سزاوار ہے تو اللہ ہی فرما سکتا ہے۔ انا الکبیر انا المتعال۔
لی الکبریاء ۔ بڑائیاں میرے لئے اور عظمت میرے لئے ہے۔ اس کے سوا جو دعویٰ کریگا۔
لی الکبریاء لی العظمۃ ۔ وہ جھوٹا ہوگا، تو جھوٹ بولنا بری بات ہے تکبر کرنا بری بات نہیں
ہے۔ مگر جو متکبر بنے گا، جھوٹ بولے گا، اس واسطے روک دیا گیا، پھر یہ کہ کبریاء وعظمت
درحقیقت صفاتِ ذات میں سے ہے۔ صفات افعال میں اگر ہم تخلق کریں تو وہ الگ بات
ہے۔ لیکن صفاتِ ذات خالقیت میں کوئی کرنے لگے تخلق ۔ تکبر میں یہ ایسا ہے جیسے ذات
کی برابری کوئی چاہتا ہو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس واسطے روکا گیا کہ تکبر نہ کیا جائے اسکی
اجازت نہیں دی جائے گی۔ تکبر کرنے والا ہمیشہ محروم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے، کسی کو
تکبر کی اجازت نہیں ہے۔

• توحید | تو جو ذات پاک ہو تمام عیوب سے تنزیہ اسی کے لئے ہے، جو ذات
سرچشمہ ہو ساری خوبیوں کا تو یہ اسی کے لئے ہے۔ جو ذات ساری خوبیوں کی مالک ہو
عظمت وکبریاء اس کے لئے ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب ذات وہ مان لی کہ ہر
عیب سے بری اور ہر کمال سے متصف وموصوف اور ذاتی طور پہ ہر بڑائی اور عظمت اس میں
تو پھر یکتا بھی تو وہی ہوگا، جب ایسی ذات کوئی دوسری نہیں ہے تو اس ذات کو یکتا کہا جائیگا۔ جسکا
کوئی شریک نہیں، برابر نہیں۔ کوئی ند نہیں، کوئی ضد نہیں، کوئی اس کے لگ بھگ نہیں۔ تن تنہا
ایک ہی ذات برکات ہے جو ایک بھی ہے اور یکتا بھی نہ اسکی ذات جیسی ذات، نہ اس
کے افعال جیسے افعال، نہ اسکی شیون جیسے شیون۔ تو ہر چیز کے اندر وہ یکتا
ہے۔ اسی کا نام ہے شریعت کی اصطلاح میں توحید۔ توحید کے معنی محض ایک ہونے کے
نہیں، ایک تو اپنی اپنی ذات میں ہم اور آپ سبھی ہیں۔ توحید کے معنی یکتا کے ہیں کہ کوئی مثل
نہیں کوئی نظیر نہیں۔ لیس کمثلہ شئی وھو السمیع البصیر۔ تو درحقیقت توحید کی بنائیں تین
ہیں۔ ایک تنزیہ مطلق، ایک تنویہ مطلق، ایک تعظیم مطلق عظمت بھی اسکی اور پاکی بھی اسکی اور

مصدرِ کمالات ہونا بھی اُسی کا۔ تو جو ذات پاک بھی ہے، جو ذات خوبیوں کا مصدر بھی ہے، جو عظمت والی بھی ہے۔ تو معبودیت بھی اسی کی ہوگی۔ یکتا اسی کو کہا جائیگا۔ پھر عبادت بھی اسی کی ہوگی، دوسرے کی نہیں ہوسکتی، یہی معنی ہیں توحید کے کہ توحید ذات کے لحاظ سے بھی ہو کہ ۔۔۔ صفات کے لحاظ سے بھی اور افعال کے لحاظ سے بھی کہ اس کا کوئی شریک نہ ہو، شیون بھی اسکی بے مثل اور بے نظیر لیس کمثلہ شئی۔ تو مقامات الوہیت چار نکل آئے ایک تنزیہ جو ادا ہوتی ہے۔ سبحان اللہ سے ایک تنزیہ جو ادا ہوتی ہے۔ الحمد للہ سے ایک کبریائی عظمت جو ادا ہوتی ہے العلی العظیم سے اور ان تینوں کے مجموعے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یکتا ہو تو یہ توحید نکلی اس کے لئے، تو مقامات الوہیت اس حدیث پاک میں بیان فرمائے، وبحمد اللہ سے الحمد للہ سبحان اللہ سے تسبیح اور سبحان اللہ العظیم میں عظمت اور کبریاء بیان کی گئی ہے اور ان تینوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یکتا ہو تو توحید بطور ثمرہ کے ان پر مرتب ہو جاتی ہے، جیسا کہ پہلی حدیث جو امام بخاریؒ نے روایت فرمائی نیت کے بارہ میں وہ مقامات عبدیت ہیں۔

باقی آئندہ

ختم بخاری ۲۹ اکتوبر مطابق ۔ شعبان بعد از نماز عشاء دار العلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہٗ نے طلبۂ دورۂ حدیث شریف کو بخاری شریف ختم کرائی اور صحاح ستہ کی اجازت دی اس موقعہ پر دار العلوم کے تمام طلبہ اساتذہ اور باہر کے کئی مہمان موجود تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے فضیلت علم اور احادیث کی ضرورت، حجیت، اور مستقبل میں فضلاء دار العلوم کی نازک ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی، شام کی نماز پر یہ روح پرور تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

سالانہ امتحانات رجب کے آخری ہفتہ میں دار العلوم کے سالانہ تقریری اور تحریری امتحانات شروع ہوئے جو گیارہ شعبان تک جاری رہے۔ دورۂ حدیث شریف کے امتحانات ۶ شعبان کو وفاق المدارس العربیہ کے زیر اہتمام شروع ہوئے۔ مولانا عبد الرؤف صاحب شیخ الحدیث دار العلوم چارسدہ نے وفاق کی طرف سے ناظر امتحانات کے فرائض انجام دئے۔ دورۂ حدیث میں اس سال ایک سو دس طلبہ نے شمولیت کی۔ ۱۲ شعبان سے دار العلوم کے تعلیمی شعبوں میں تعطیل ہو جائے گی۔ مدرسہ تعلیم القرآن، دفتر الحق اور دفاتر اہتمام بدستور کھلے رہیں گے۔

۔۔۔ ناظم دار العلوم حقانیہ ۔۔۔

الحق کے مستقل خریدار ادارۂ الحق کے ساتھ خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

عالم اسلام میں تجدد اور مغربیت کی ایک تجربہ گاہ

مصطفیٰ کمال کی فکری نشوونما اور خصوصیات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

★

مغربی تہذیب پر سیادت قائم کرنے کی دعوت کے حامل و رہنما (جن کی قیادت ضیاء گوک الپ کر رہا تھا) عالم اسلام کے آزاد فکر اشخاص اور مصنف مورخین کے حلقہ میں بڑے احترام کے مستحق تھے اور دنیا کے سیاسی، ثقافتی اور اجتماعی نقشہ میں ترکی ایک اہم ترین کردار ادا کر سکتا تھا، اگر وہ مغربی تہذیب پر واقعی اپنی سیادت قائم کر لیتا اور اس پر قابو پانے کے بعد اس کو اعلیٰ انسانی و اسلامی مقاصد کے لئے استعمال کرتا اور اس آزاد خیال قائد کی طرح اس میں ترمیم و تصرف کرتا جو اپنے ارادہ کا مالک و مختار ہے۔ یا اس مجتہد عالم کی طرح جو اپنی عقلِ خداداد سے سوچتا ہے، وہ مشرق کی ان اسلامی اقوام کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ اور قابلِ صد احترام پیش رو اور پیشوا بن جاتا جو مشرق و مغرب کی اس زبردست کشمکش کا شکار ہیں اور تہذیب جدید کے کھلے ہوتے چیلنج کا سامنا کر رہی ہیں اور جن کے نزدیک ترکی ہی وہ سب سے پہلا مسلمان ملک ہے جس کو مغرب و مشرق کی کشمکش کے اس معرکۂ خونیں سے گزرنا پڑا اور مغربی تہذیب اور جدید فلسفۂ زندگی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا رو در رو سامنا کرنا پڑا۔

لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ جو کچھ ہوا وہ صرف یہ کہ ترکی نے مغربی تمدن کی نقل "مطابق اصل" شروع کر دی، وہ مغربی تہذیب کے ان کھوکھلے مظاہر اور سطحی اصلاحات میں الجھ کر رہ گیا ہے، جن سے قوموں اور تہذیبوں کی زندگی میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا اور نہ اس کا حقیقی قوت اور سیاسی عظمت سے کوئی اصولی تعلق ہے، اس اقدام نے ترکی کو اپنے ماضی قریب سے اور اس شاندار علمی ترکہ اور ذخیرہ سے بے تعلق اور محروم کر دیا جس کی تعمیر و ترقی میں کثیر التعداد لائق ترکی نسلوں اور دماغوں نے شاندار حصہ لیا تھا، اس نے اس ترکی کو جس کے مضبوط ہاتھوں میں

کل تک دنیائے اسلام کی سیاسی قیادت و تولیت تھی اس کے لئے کلیتہً اجنبی اور پردیسی بنا دیا، اور ملک کے سربراہوں اور ان عوام کے درمیان ایک زبردست خلیج حائل کر دی جو ایمان و محبت اور دینی جذبہ سے معمور و مخمور تھے، جن کے جذبہ کی قوت و عظمت کے سامنے دنیا کو بارہا عزت و احترام کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہونا پڑا تھا، اور جنہوں نے (ملک کی داخلی کمزوریوں اور فوجی حکام کی بددیانتی اور خیانت کے باوجود بھی) یورپ کے متواتر حملوں اور مسلسل سازشوں کا مقابلہ کیا تھا، اس غیر دانشمندانہ و مقلدانہ اقدام نے قوم سے اعتماد و سرخوشی اور جوش و گرمجوشی کی وہ دولت بے بہا چھین لی جو اس عظیم مسلم قوم کا امتیاز و خصوصیت رہی ہے، اس نے ترکی معاشرہ میں اضطراب و انتشار، نیم دلی، افسردگی اور مایوسی پیدا کر دی۔

جدید معاشرہ کی تشکیل کے لئے، ترکوں کے دینی شعور اور اسلامی جذبہ کو کچلنے کے لئے اور قوم کا رُخ مادیت، قوم پرستی اور مغربی تمدن کی نقالی کی طرف پھیر دینے اور اس کو ایک محدود دائرہ کے اندر محصور کر دینے کے لئے اس سنگ دلی اور تشدد سے کام لیا گیا جس کی نظیر کم ملے گی اس کا شکار زیادہ تر وہ لوگ ہوئے جن سے ملک و قوم کو بے حد فائدہ پہنچ سکتا تھا، ترکی کے حکمرانوں اور بے بس و مجبور عوام کے درمیان عقلیت اور طرز فکر کی یہ کشمکش آج بھی موجود ہے۔ ایمان چنگاری دلوں میں اب بھی پوشیدہ ہے، اور ادنیٰ اشارہ اور معمولی تحریک سے وہ دلوں کے اندر بھڑک اٹھنے کے لئے تیار ہے۔

مغربی تہذیب سے استفادہ کے میدان میں ترکی کا پارٹ خالص تقلیدی پارٹ تھا۔ جو ہر قسم کی تخلیقی قوت، جدتِ فکر، خود کفالتی، بلند خیالی اور حوصلہ مندی سے خالی تھا، اس نے اس تہذیب پر اپنی سیادت (SUPREMACY) قائم کرنے کے لئے جو مادہ پرست مغرب سے آئی تھی اور جس کا خواب ضیاء گوک الپ نے اپنے گذشتہ مقالہ میں دیکھا تھا، کوئی ٹھوس اور سنجیدہ کوشش نہیں کی، وہ اس کی قیادت پر قبضہ کرنے اور اس پر قابو حاصل کرنے میں پوری طرح ناکام رہا۔ اس کا پارٹ صرف "درآمد" (IMPORT) کرنے، مستعار لینے یا نقل کرنے کا تھا، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، چنانچہ اس دور میں نہ تو سائنسی علوم میں کوئی ممتاز عالم ترکی میں پیدا ہوا، نہ دوسرے علوم و فنون میں کوئی اہم شخصیت نمودار ہوئی، نہ فکر اور فلسفہ کے شعبہ میں کسی نئے مدرسہ اور مکتبِ خیال کا بانی ترکی کو نصیب ہوا نہ کوئی ایسی شخصیت سامنے آئی جو اس تہذیب میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جس کی بجائے خود کوئی علمی قیمت اور افادیت ہو، یہی وجہ ہے کہ آج یہ قوم ایک

تیسرے درجہ کی قوم حیثیت سے مغربی ممالک کے زیرِ سایہ پل رہی ہے۔ ترکی کا موجودہ انقلاب اُس سیاسی عظمت، بین الاقوامی وقار دینی حمیت اور گرم جوشی، اخلاقی اقدار و محرکات اور عالمِ اسلام کی قیادت و رہنمائی کی قیمت کسی طرح نہیں بن سکتا جس کی قربانی ترکی کو دینی پڑی ہے۔

نامق کمال | مغربی تہذیب و علوم سے استفادہ کی زیادہ متوازن دعوت اور ترکی و مغرب جدید کے تعلق کی نوعیت کی بہتر وضاحت ترکی کے ایک پیش رَو مفکر نامق کمال[1] کے خیالات و

---

[1] نامق کمال ۱۸۴۰ء میں RHOBOSTO میں پیدا ہوا۔ وہ ایک خوش حال اور امیر خاندان کا فرد تھا۔ گھر پر عربی فارسی اور فرنچ کی تعلیم پائی، سترہ سال کی عمر میں حکومت کی ملازمت میں داخل ہوا، وہ نوجوانی میں ترکی کے مشہور مفکر اور محب وطن رہنما ابراہیم شیناسی (۱۸۲۶ء - ۱۸۷۱ء) سے متاثر ہوا، اور ان کے مشہور رسالہ "تصویرِ افکار" کی ادارت میں شامل ہوگیا۔ ۱۸۶۵ء میں جب شیناسی نے فرانس میں پناہ لی تو اس نے اس رسالہ کی ادارت سنبھالی اور ایک سیاسی اخبار نویس اور مقالہ نگار کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ اپنے جرأت مندانہ خیالات اور مضامین کی پاداش میں ۱۸۶۷ء میں اسے بھی ترکِ وطن کرنا پڑا، اس نے جلاوطنی کے تین سال لندن، پیرس اور ذی آنا میں بسر کئے، وہاں اس نے جدید قانون اور اقتصادیات کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۷۱ء میں ترکی واپس ہوا اور اپنے شہرۂ آفاق ڈرامہ" وطن" کے نتیجہ میں جس نے آزادی اور حب الوطنی کا عام جوش پیدا کر دیا تھا۔ وہ قبرص جلاوطن کر دیا گیا، ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد واپس ہوا، لیکن پھر جلد حکومت کا معتوب ہوا اور اپنی زندگی کا آخری سال نظر بندی یا جلاوطنی میں گذار کر ۱۸۸۸ء میں وفات پائی۔

برنارڈ لوئیس (BERNARD LEWIS) اپنی کتاب THE EMERGENCE OF MODERN TURKEY میں لکھتا ہے:

> "اپنی پرجوش حب الوطنی اور آزاد خیالی کے باوجود نامق کمال سچا اور پرجوش مسلمان تھا، اس کے مضامین میں جس مادرِ وطن (ترکی) کا تذکرہ آتا ہے۔ اگرچہ اس کی بنیاد فرقہ کے بجائے علاقہ پر ہے، وہ اس کے تصور میں ایسا ہی خالص اسلامی ہے، جیسے عثمانی سلطنت کا تصور تھا، وہ اپنی پوری زندگی میں شدت کیساتھ مسلمانوں کے روایتی اقدار و عقائد سے وابستہ رہا ہے، اس نے بسا اوقات "تنظیمات" کے رہنماؤں پر بڑی تیز و تند تنقید کی کہ وہ قدیم اسلامی روایات کے تحفظ میں ناکام رہے اور انہوں نے یورپ سے جدید خیالات اور ادارے کو در آمد کیا۔ نامق کمال نے اسلامی اقدار کی علم برداری کی اور جن یورپین مصنفوں نے اسلام کو گھٹا کر پیش

مضامین میں ملتی ہے، جنہوں نے مغرب سے ان شعبوں میں استفادہ کی دعوت دی۔ جن کی وجہ سے مغربی اقوام کو ترقی، فارغ البالی اور فوقیت حاصل ہوئی ہے، پروفیسر نیازی برکس "مجموعہ مضامین ضیا گوک الپ" کے فاضلانہ مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

"جس شخص نے جدید صورت حال کی غیر صحتمندی کی تشخیص کی اور اس کو ایک جدید ریاست کے قیام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تسلیم کیا وہ نامق کمال (۱۸۴۰ء۔ ۱۸۸۸ء) تھے، انہوں نے ان دینی، اخلاقی اور قانونی اداروں کی اصلی یا مثالی شکل پیش کرنے کی کوشش کی جو اسلام سے منسوب کئے جاتے ہیں اور قدیم عثمانی روایات کے عروج کے زمانہ کی سیاسی اداروں کی بھی اصلی اور مثالی شکلیں پیش کیں اور مغربی تہذیب کے ان پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا جن کی وجہ سے مغربی اقوام کو ترقی، فارغ البالی اور فوقیت حاصل ہوئی تھی، ان تینوں عناصر پر بحث کر کے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان میں کوئی بنیادی اختلافات نہ تھے، ان کے نزدیک اسلام معاشرہ کی (اخلاقی اور قانونی بنیادیں فراہم کرتا ہے، ریاستی امور میں عثمانی روایت اور اس کی متعدد قومیتوں اور متعدد مذاہب کے درمیان رواداری کی آفاقی پالیسی کو عثمانی روایت (ترکی ریاست نہیں) کے سیاسی ڈھانچہ کی بنیاد بنایا جاتا اور مغربی تہذیب کے وہ مادی اور عملی طریقے اور اسلوب سیکھے جاتے جس سے اس نظام کو طاقت اور معاشی ترقی کی ہم عصر دنیا میں استحکام حاصل ہوتا۔

اس طرح نامق کمال نے انیسویں صدی کی ترکی کے تینوں عناصر کو الگ الگ کیا اور ان کے حدود کی نشاندہی کی، ان کے خیال میں تنظیمات کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ان تین عناصر کے بارے میں ذہنی انتشار تھا، مثلاً شریعت یعنی اسلامی قانون کو تو فرانس سے ضابطہ قانون مستعار لینے کی خاطر ترک کر دیا گیا۔ جبکہ تعلیم، حکومت،

کرنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔ ان کے مقابلہ میں اس کے کارناموں کو نمایاں کیا، حتیٰ کہ عثمانی قیادت میں بین الاقوامی اسلامی اتحاد کا بھی تصور پیش کیا، تاکہ اس تحریک کو ایشیا اور افریقہ میں اپنا کر اور اسکی اشاعت کر کے یورپ کے مقابلہ میں ایک مشرقی طاقتی توازن پیدا کیا جا سکے"

صہ ۱۳۳ صہ ۱۳۰

سائنس، معاشیات اور زراعت کے سلسلہ میں مغربی طریقوں اور اسلوبوں کو جاری نہیں کیا گیا۔

ترکی ریاست کو ایک جدید ریاست بنانے کی طفلانہ خواہش میں تنظیمات کے اصلاحات کے بانیوں نے بلاسبب یورپین طاقتوں کے احسانات، معاشی اور سیاسی معاملات میں قبول کرلئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست عثمانی اپنی آزادی اور سالمیت کھو بیٹھی، انہوں نے انتظامی معاملات میں جدید جمہوری نظاموں کا ایک بھی اصول رائج نہیں کیا جبکہ نہ تو قدیم عثمانی سیاسی ادارے اور نہ اسلامی قانون میں کوئی بات ایسی تھی جو جمہوریت یا ترقی یا جدید سائنس سے ہم آہنگ نہ کی جاسکتی۔[1]

لیکن باوجود نامق کمال کی عام مقبولیت اور اس گہرے اثر کے جو اس نے ترکی کی جدید نسل اور خود ضیاء گوک الپ اور ان کے معاصرین پر ڈالا اور جس کا اعتراف خالدہ ادیب خانم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ " نامق کمال ترکی جدید کی محبوب ترین شخصیت تھی، ترکی کے افکار و سیاسیات کی تاریخ میں ان سے زیادہ کسی دوسری شخصیت کی پرستش نہیں کی گئی"[2] اس کا متوازن فکر اور نسبتاً معتدل دعوت ترکی کی جدید تشکیل میں اتنی موثر ثابت نہیں ہوئی جیسی ضیاء گوک الپ کی مغربی تہذیب اور اصول سیاست کے اختیار کرنے کی پرجوش دعوت، ضیاء کے فلسفہ اور فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ترکی کو ایک نہایت طاقتور اور عملی آدمی مل گیا جس نے اس کے تصور اور منشا سے بھی آگے بڑھ کر ترکی کو مغربیت کے سانچہ میں ڈھالنے کا عزم کرلیا، یہ کمال اتاترک کی شخصیت تھی۔

کمال اتاترک[3] کی قیادت میں ترکی نے نامذہبیت (سیکولرازم) اپنے ماضی سے انحراف بلکہ بغاوت شدید وجذباتی مغربیت اور عسکری آمریت کا جو رخ اختیار کیا، اس کے وجوہ و اسباب،

---

[1] BERKES, NIYAZI, TURKISH NATIONALISM AND WESTERN CIVILIZATION (GOKALP ZIYA) P. 17, 18

[2] HALIDE EDIB; TURKEY FACES WEST P. 84

[3] مصطفیٰ کمال کے والد کا نام علی رضا بے تھا، ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں سالونیکا میں پیدا ہوئے، ان کا اصل خاندان اناطولیہ کے ایک گاؤں میں آباد تھا۔ پہلے ایک ایسے ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوئے جو یورپین طرز پہ چلایا جارہا تھا۔ پھر ایک ہائی سکول میں رہ کر ایک سال تعلیم حاصل کی پھر اس کو چھوڑ کر فوجی کالج میں داخلہ لیا۔ اس کے بعد استنبول کے فوجی کالج میں داخل ہوئے اور فوجی افسر کی حیثیت سے ملک کے سامنے آئے، یہ سلطان عبدالحمید ثانی کا عہد تھا، ان کے خلاف

سمجھنے کے لئے اس تحریک و رجحان کے فکری وسیاسی قائد اور ترکی جدید کے معمارِ اعظم کمال اتاترک کے ذہنی ارتقاء، فکری نشو ونما اور اس کی مزاجی کیفیت کے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ

مصطفیٰ کمال بعض سازشوں میں ماخوذ ہوئے اور گرفتار ہو کر دمشق جلا وطن کردئے گئے، وہاں سے خفیہ طور پر سالونیکا بھاگ آئے، اور انجمن اتحاد و ترقی میں شامل ہو کر فوج میں بھرتی ہو گئے اور مقدونیہ کی ریلوے لائن کی تعمیر ان کے سپرد ہوئی۔ ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید معزول ہو گئے، ۱۹۱۰ء میں وہ اٹاچی بن کر فوجی مشن پر فرانس گئے، اس سفر نے ان کو ترکی کی ترقیات اور انتظامات کی طرف سے غیر مطمئن اور جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثرات کی طرف سے بے چین کر دیا، اس وقت ترکی پر عملاً چار آدمیوں کی حکومت تھی، انور، طلعت، جاوید اور جمال، مصطفیٰ کمال کا ان سے سخت اختلاف تھا، کمال کو بین الاقوامی مقاصد یا ترکی کے باہر عثمانی سلطنت کی توسیع سے کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ اس پالیسی کو ملک کے لئے مہلک اور تباہ کن سمجھتے تھے۔ ادھر انور ان کو ناپسند کرتے تھے، ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان شروع ہوئی، وہ بلقانی شہروں سے مہاجرین اور پناہ گزینوں کے ہجوم، ان کی بے بسی اور ناگفتہ بہ حالت سے سخت متاثر ہوئے بلقان کی ریاستوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے ترکوں نے اڈریانوپل پر دوبارہ قبضہ کر لیا، انور وزیر جنگ ہوئے اور وہ اپنی ترقی و اعزاز کے آخری مدارج پر پہنچے، انور کی کوشش تھی کہ تمام مسلمانوں کو خلیفۃ المسلمین کے جھنڈے کے نیچے لے آئیں۔ انور نے جرمنوں کو ترکی کی فوجی تنظیم کا کام سپرد کیا، مصطفیٰ کمال کو یہ بات ناپسند تھی، ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور انور اور ان کے رفقاء کے دباؤ سے ترکی، جرمنی کے ساتھ باقاعدہ جنگ عظیم میں شریک ہو گیا، کمال کی رائے تھی کہ ترکی کو غیر جانبدار رہنا چاہیئے اور جس فریق کی فتح ہو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کمال نے اپنی مرضی کے خلاف اس جنگ میں بہادرانہ حصہ لیا اور ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے معرکہ میں زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اور اسی سے ان کی شہرت شروع ہوئی، ۱۹۱۶ء میں وہ قفقاز کے محاذ پر بھیجے گئے، ۱۹۱۷ء کے آغاز میں ان کو حجاز کی کمان سپرد ہوئی۔ لیکن ان کے کمان سنبھالنے سے پہلے حجاز کا تخلیہ ہو چکا تھا، اس سال سے وہ جنرل کے عہدہ پر فائز ہو کر دیار بکر قائم مقام کمانڈر بنا کر بھیجے گئے، ۱۹۱۸ء میں جرمنی اور ترکی کی شکست کے ساتھ یہ جنگ ختم ہوئی، سابق وزراء اور ترکی کے رہنما ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور کمال کے لئے میدان صاف ہو گیا، برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے استنبول پر قبضہ کر لیا، اناطولیہ میں بڑی بدامنی پھیل گئی، اس وقت امن قائم کرنے کے لئے مصطفیٰ کمال کا انتخاب ہوا، انہوں نے یونانیوں کے خلاف جنہوں نے ازمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ اعلانِ جنگ کر دیا اور ۱۹۱۹ء میں سقاریہ کے معرکہ میں ان کو شکستِ فاش دی اور غازی کا لقب حاصل کیا۔ اس کے بعد انگورہ میں ایک آزاد حکومت قائم کی، خلافت اور عثمانی سلطنت کے خاتمہ کا اعلان کیا اور ایک غیر مذہبی جمہوریہ قائم کیا جس کے ۱۹۲۴ء میں وہ پہلے صدر منتخب ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹۳۸ء میں انتقال کیا۔

(ملاحظہ ہو ATATURK (IRFAN ORGA), GREY WOLF (ARMSTRONG))

جمہوریت و عوامیت کے ادعاء کے باوجود وہ ممالک جو کسی فوجی آمر کے قبضۂ تصرّف میں آجاتے ہیں، وہ بہت حد تک اس کی شخصیت و مزاج کا عکس بن کر رہ جاتے ہیں اور ان کی جدید تشکیل کو سمجھنے کے لئے اُن آمرین (DICTATORS) اور اُن کے عناصر ترکیبی کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس موقع پر ہم کمال اتاترک کے مستند و ہمدرد ترک سوانح نگار عرفان اُورگا (IRFAN ORGA) کی کتاب "اتاترک" (ATATURK)[1] کے اُن اقتباسات کے پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جو کمال کے کیرکٹر اور مزاج پر روشنی ڈالتے ہیں۔

"وہ کالج کی زندگی میں کم آمیز اور حلقۂ احباب میں نامقبول تھا، اس کے قریبی دوست بہت کم تھے، وہ جلد اشتعال میں آجاتا تھا، وہ اپنے درجہ کا ایک مثالی دبے نفس طالب علم، شوقین و ذہین تھا، جنس (SEX) اس کے لئے مقناطیس کی کشش رکھتی تھی — وہ شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا تھا۔ اس لئے کہ روحانی تسکین کے لئے اس کے اندر نہ خدا کا اعتقاد تھا نہ زندگی بعد موت کا یقین۔"[2]

"دوسروں پر ظلم کر کے خوشی حاصل کرنے کی جو فطری خصوصیت اس کے اندر تھی اس کا اظہار ہوا، وہ دوسروں کے جذبات کو کبھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتا تھا، اس کے اندر دوسروں کو مفتوح و مغلوب بنانے اور ان کو اپنی مرضی کے سامنے سرنگوں کرنے کی فطری خواہش پائی جاتی تھی، وہ ہمیشہ چوٹی پر رہنا پسند کرتا تھا۔

مناسترؔ میں اس کا تعارف والٹیرؔ اور روسوؔ کی تحریرات سے ہوا، جنھوں نے اس کو اپیل کیا اور اس کے خوابیدہ جذبۂ بغاوت کو بیدار کر دیا۔"[3]

"جوانی میں اس نے اپنے انقلابی افکار کے ساتھ ضیاء گوک الپ کی تعلیمات کو بھی اچھی طرح جذب کیا تھا۔ ضیاء گوک الپ نے روشن خیالی اور مذہبی خیالات کی آزادی کے لئے جنگ کی تھی، وہ مغربی روشن خیالی کا بہت بڑا نقیب تھا، اس نے ۱۹۰۰ء ہی میں اس خیال کا اظہار کر دیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے زوال و انتشار مقدر ہو

---

[1] IRFAN ORGA MARGARETE :- "ATATURK" (MICHAEL JOSEPH LTD, LONDON) 1962

[2] P. 251 [3] P. 251

چکا ہے۔ اس لئے کہ اس نے شخصی حکومت کے اصول کو آنکھ بند کر کے پکڑ رکھا ہے۔
وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "دینی حکومت شخصی حکومت کی وفادار حلیف تھی۔ ہے" اس نے مذہبی اقتدار
سے آزادی حاصل کرنے کی پرزور حمایت کی تھی، وہ علماء کے اختیارات کو محدود کر
دینے کے حق میں تھا، مختلف مذہبی برادریاں اور مذہب کے پرجوش حامیوں
کے حلقے جو (بقول اس کے) شیطان کے آلۂ کار بن کر جہاد کا نعرہ لگاتے رہتے
ہیں مقید و پابند ہونے چاہئیں، اس نے شریعت کے خاتمہ اور ان قاضیوں کی دینی
عدالتوں کی منسوخی کی پرزور وکالت کی تھی جو اسلامی قانون کے شارح و ترجمان ہیں،
اس کے نزدیک ان کی جگہ پر نئی قانونی عدالتوں اور سول کورٹس کو آنا چاہئے [1]۔
مذہب اور بالخصوص اسلام کے بارے میں اس کے عقیدہ اور نقطۂ نظر اور اس کے اصلی
خیالات و احساسات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"اس نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ اس کی اصل جنگ مذہب کے خلاف
ہے۔ بچپن سے اس کے نزدیک خدا کی کوئی ضرورت نہیں تھی، وہ محض ایک پُراسرار
اور مغالطہ آمیز مجرّد نام تھا جس میں کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ صرف اس چیز پر
یقین رکھتا تھا جو دیکھنے میں آ سکتی تھی [2]۔ اس کا خیال تھا کہ زمانۂ ماضی میں اسلام محض
ایک تخریبی طاقت رہا ہے، اور اس نے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اس
نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ اسلام ہی کی عطا کی ہوئی وحدت نے وسیع
عثمانی سلطنت کی تعمیر کی تھی، اس کا خیال تھا کہ اسلام کی بدولت لوگ جمود و اوہام کی
دلدل میں دھنسے رہے، اس کو اس آدمی سے سخت نفرت تھی جو تقدیر کے سامنے
ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ خدا کی مرضی تھی" "یہ مقدر کی بات ہے"۔ اس کا عقیدہ
تھا کہ خدا کا کہیں وجود نہیں اور انسان ہی اپنی تقدیر بناتا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ دماغ
کی طاقت اور قوتِ ارادی خدا کی "بے حسی" اور "بے رحمی" پر غالب آ جاتی ہے، لیکن
مذہبی لوگوں کا کہنا ہے کہ "خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں"۔ وہ کہتا تھا "کیا ان مذہبی

---

[1] P. 246 [2] اس کتاب میں مصنف نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں کبھی کبھی
کمال آسمان کی طرف مُکا اٹھا کر اشارہ کرتا تھا۔

لوگوں کو اس برقی طاقت کی اطلاع نہیں جو بہت تیزی سے کام کرتی ہے؟"
اس کا مصمم ارادہ تھا کہ مذہب کو ممنوع قرار دیدے خواہ اس کے لئے طاقت استعمال کرنی پڑے، خواہ دھوکہ اور فریب سے کام لینا پڑے[1]"

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے :-

" اس کے نزدیک نفسیاتی اصول ونظریات اور فلسفیانہ اصطلاحات کے کوئی معنی نہیں تھے، اسی لئے قدرتی طور پر ترکی قوم کے لئے مذہب کو غیر ضروری اور بے کار قرار دینے میں اس کو کوئی تامل نہیں تھا، لیکن مذہب کی جگہ پر اس نے اگر کوئی چیز ترکی قوم کو دی تو وہ "نیا دیوتا" تھا، یعنی مغربی تہذیب، اس میں اچنبھے کی بات نہ تھی کہ قوم نے اپنی روح کے لئے جنگ کی، دوسری تہذیبوں کی گذشتہ تاریخ سے اس نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ پرانے دیوتا ذرا مشکل سے مرتے ہیں۔ (اس لئے خدا کا خیال ترکی قوم کے دل سے دیر ہی میں نکلے گا۔)[2]"

دوسری جگہ لکھتا ہے :-

" اسلام اور راسخ العقیدہ مذہبیت سے اس کو شدید نفرت تھی، جس خدا کا وہ قائل تھا وہ اس کے نزدیک کسی قید و بند کا محتاج نہ تھا، اس کے نزدیک وہ خدا ہر چیز میں تھا ـــ وہ کہتا تھا کہ ہم کو ہر پہلو سے مرد بننا ہے۔ ہم نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں، ہماری مصیبتوں کا سبب یہ تھا کہ ہم نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ دنیا کس راستہ پر جا رہی ہے۔ ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہئے کہ کوئی کیا کہتا ہے۔ ہم مہذب وشائستہ بن رہے ہیں اور ہم اس پر فخر کرنا چاہئے ـــ عالم اسلام کے بسنے والے دوسرے مسلمانوں پر نظر ڈالو، وہ کس تباہی، مصیبت اور حوادث کا شکار ہیں، کیوں۔؟ اس لئے کہ وہ اپنے دماغ سے کام لے کر اپنے کو اس روشن وبلند پایہ تہذیب میں فٹ نہیں کر سکے۔ یہی سبب ہے کہ ہم بھی اتنے طویل عرصہ تک پسماندگی و تنزل کا شکار رہے اور اب آخری طور پر آخری گڑھے میں گر گئے، ان پچھلے برسوں میں اگر ہم اپنے کو بچانے میں کچھ کامیاب ہوئے ہیں تو

---

[1] P. 237 - 238 [2] P. 246

وہ اس وجہ سے کہ ہماری ذہنیت تبدیل ہو گئی، مگر اب ہم کسی جگہ ٹھہر نہیں سکتے۔ ہم آگے بڑھنے کے لئے اٹھے ہیں اور ہم برابر آگے بڑھ رہے ہیں، خواہ کچھ بھی واقع ہو اب ہمارے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں، قوم کو سمجھ لینا چاہئے کہ تہذیب ایک ایسی جلتی ہوئی آگ ہے جو ان سب کو جلا اور خاک سیاہ کر دیتی ہے جو اس کو خراجِ عقیدت نہیں ادا کرتے[1]"

ایک دوسری جگہ اس کی نفرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"یہ کوئی راز کی بات نہیں تھی کہ مصطفےٰ کمال ایک غیر مذہبی آدمی تھا۔ اس بنا پر یہ افواہ گرم تھی کہ خلافت کی تنسیخ جلد عمل میں آنے والی ہے، اس بات سے اور سنسنی پھیل گئی کہ مصطفےٰ کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر جو اسلام کے بڑے عالم اور قابلِ احترام بزرگ تھے قرآنِ مجید پھینک کر مارا۔ اس کا نتیجہ مصطفےٰ کمال کی فوری موت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ زمانہ بہت بدل گیا ہے[2]"

مغربی تہذیب سے جو اس کو عشق و شیفتگی اور اس کی نظر میں اس کا جو تقدس اور احترام تھا اور جس طرح وہ اس کے اعصاب و جذبات پر مستولی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف مذکور لکھتا ہے :-

"بڑی حد تک مصطفےٰ کمال جس چیز کی تلقین کرتا تھا اس پر وہ خود بھی عامل تھا۔ وہ اس نئے خدا (تہذیبِ جدید) کا پُرجوش پجاری اور اس کا ایک وفادار حواری تھا۔ اس نے اس لفظ "تہذیب" کو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا، جب وہ اس تہذیب کے متعلق کوئی گفتگو کرتا تو اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اس کے چہرے پر ایسی کیفیت نمودار ہوتی تھی جو کسی صوفی کے مراقبہ جنت کے وقت اس کے چہرے پر نظر آتی ہے[3]"

تہذیب سے متعلق اس کا تخیل کیا تھا، اور وہ ترکی قوم کو کیا دیکھنا چاہتا تھا؟ اس کا اندازہ حسب ذیل بیانات سے ہوگا، مصنف لکھتا ہے۔

"مصطفےٰ کمال اپنی قوم سے کہتا تھا، ہم کو ایک مہذب و شائستہ قوم کا لباس پہننا چاہئے ہم کو دنیا کو دکھانا چاہئے کہ ہم ایک بڑی قوم ہیں ہم کو دوسری قوم کے ناواقف

---

[1] P. 297 [2] P. 239 [3] P. 273

لوگوں کو اپنے پرانے فیشن کے لباس پہ بسنے کا موقع نہ دینا چاہئے، ہم کو زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنا چاہئے۔"[1]

"اس کے ذہن میں ایک اصلاح شدہ نئے سانچے میں ڈھلے ہوئے ترکی کا تخیل تھا، لیکن اس کے حصہ میں جو انسانی کچا مال (قوم) آئی تھی وہ ایک بیزار، اُداس اور ایک ان گڑھ انسانی مجموعہ تھا، جیسے جنگ کے دوران میں فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ ہوتے ہیں، اس نے ایک ایسے آدمی کی حیثیت سے تنہا کام کرنا شروع کیا جو طاقت کا سرچشمہ تھا، جس کو اپنے سوا کسی کے فیصلہ پر اعتماد نہیں تھا، جس کو دوسروں کے کاموں میں مداخلت کرنے کا خبط تھا۔ اور جس کے اندر افراط کے ساتھ ذہنی طاقت بھری ہوئی تھی۔"[2]

ترکی قوم کو جلد سے جلد مغربی اقوام کے رنگ میں رنگ دینے اور مکمل طور پر ان کا ایسا ہم رنگ بنا دینے کے لئے جس کے بعد کوئی امتیاز نہ رہے۔

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس نے ترکی ٹوپی اور سر کے ہر لباس کو خلافِ قانون قرار دیا اور ہیٹ کا استعمال لازمی کر دیا، اور اس بارے میں اتنی شدت برتی کہ گویا اس سے بڑھ کر کوئی اصلاح اور ترکی قوم کی زندگی اور عزت کے لئے کوئی شرط نہ تھی، یہ ہیٹ کی وہ خوں ریز جنگ تھی جس نے جنگِ صلیبی کی شکل اختیار کر لی، ترک سوانح نگار اس معرکہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"فسادات اور بلوے اس قدر سخت تھے اور صورتِ حال اتنی خطرناک ہو گئی کہ ایک کروزر کو بحرِ اسود کے ساحل پر ہر وقت چوکنا رہنے کی ہدایت ہوئی، ملک میں جا بجا عدالتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے اپنا کام شروع کیا، ان باتوں نے بلوائیوں کو اور زیادہ مشتعل کر دیا، مذہبی حلقہ کے افراد جنہوں نے لوگوں میں جوش پیدا کیا تھا یا تو پھانسی پر چڑھا دئے گئے یا روپوش ہونے پر مجبور ہوئے، کہیں رحم و رعایت سے کام نہیں لیا گیا، مصطفےٰ کمال نے منصوبے کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا، اس کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ اس کے لئے کیا ذرائع اور طریقے استعمال کر رہا ہے۔

---

[1] P. 260　　[2] P. 244

لوگ گرفتار کئے جاتے تھے اور محض اس الزام میں کہ انہوں نے مذاق کیا ہے پھانسی پر چڑھا دئے جاتے تھے، بے خطا اور مجرم دونوں یکساں اس کا نشانہ بنے، اس نے نہ تو ان تحقیقاتی عدالتوں کو ان کی عاجلانہ کارروائی پر سرزنش کی اور نہ قوم کی مرضی کو شکست دینے میں تامل سے کام لیا، اس زمانہ میں وہ متکبرانہ طریقہ پر اکثر کہا کرتا تھا "میں ہی ترکی ہوں، مجھے شکست دینا ترکی کو شکست دینا ہے۔" اس خود پرستانہ جنون نے ان لوگوں کو بھی مشتعل کر دیا جو اس کو ترکی کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔

ہیٹ کی جنگ بالآخر جیت لی گئی، علماء کامیاب ہوئے اور عوام نے اپنی شکست تسلیم کر لی، مصطفےٰ کمال نے اپنی اس فتح کو دنیا پر نمایاں کرنے کے لئے مکہ معظمہ کے موتمر اسلامی (۱۹۲۶ء) میں شرکت کرنے کے لئے پارلیمنٹ کے ایک ممبر ادیب ثروت کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، ادیب ثروت واحد مسلمان نمائندہ تھا جو ہیٹ پہنے ہوئے اس موتمر میں شریک ہوا، اور دوسرے مسلمان نمائندوں نے انقباض کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔" (P. 265)

بہرحال اتاترک کی زندگی پر اجمالی روشنی ڈالتے ہوئے اس کی مزاجی خصوصیات اور اس کا کردار و کارنامہ بیان کرتے ہوئے مصنف مذکور لکھتا ہے۔

"اس کو اپنی زندگی میں رنج و مایوسی سے بھی سابقہ پڑا، اس کو بہت کم مسرت کے مواقع نصیب ہوئے، وہ غریبوں سے محبت کرتا تھا، اور دولتمندوں سے نفرت، وہ مفکرین اور علماء سے خائف رہتا تھا۔ اس لئے کہ اُن کی طاقت اس سے زائد تھی، وہ شراب، عورتوں اور موسیقی کا شائق تھا، وہ ان سب لوگوں سے نفرت کرتا تھا جو اس سے اختلاف رکھتے تھے، اگرچہ وہ کبھی کبھی ان کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کر لیتا تھا۔ اس کے عزم کی قوت، اسکی ضد اور کٹرپن اور اسکے ذہن کی صفائی نے اسکو بلند ترین مقام تک پہنچایا، اس کا مزاج اور عہد دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر بڑھے اور ترقی کی، اسکی عظمت کا راز یہ تھا کہ اس کے مقاصد محدود و متعین تھے، ایک عصری ریاست کو اپنے واضح اور متعین حدود کے اندر قائم کرنا۔ اسی کے ساتھ اس کی یہ خصوصیت کہ وہ شکست اور تباہی کے منہ میں پہنچنے کے بعد بھی اپنے خیال پر جما رہتا تھا اور اس سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔" (P. 256-257)

امام ولی اللہؒ اپنی مایۂ ناز کتاب "بدور بازغہ" (اس کتاب میں امام ولی اللہؒ نے اسلام کا طبعی اور تشریعی فلسفہ اور نظامِ خلافت کبریٰ اور حقیقت مِلل و شرائع اختصار کے ساتھ اور ایسے حکیمانہ اسلوب سے بیان کی ہے۔ کہ اسلامی لٹریچر میں اسکی مثال ملنا مشکل ہوگی۔) میں فرماتے ہیں کہ جو شخص پوری گہرائی اور بصیرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور اسکی حقیقت کو واضح طریق پر کھولنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسکو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے "ملتِ حنیفیہ" کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ تاکہ ملتِ حنیفیہ میں جو کجی واقع ہوئی ہے، اسکو سیدھا کر دیں۔ اور اس میں جو تحریف ہوئی ہے، اسکی اصلاح کر دیں۔ اور ملتِ حنیفیہ کی نورانیت کی اشاعت فرمائیں۔

وہ مقدمات۔ یعنی اصول و ضوابط جن پر ملتِ حنیفیہ کی بنیاد قائم ہے، وہ ملتِ حنیفیہ کی تفصیلات معلوم کرنے سے پہلے مسلّم اور مانے شدہ ہوں گے۔ اور وہ اشکال اور عملی صورتیں جو ملتِ حنیفیہ کے ماننے والوں میں متوارث طریقہ پر چلی آ رہی ہیں، وہ بھی بالکل مسلّم ہوں گی۔

اب ملتِ حنیفیہ کے امہات الاصول یعنی اہم اور بنیادی مقاصد جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت میں قصد کیا ہے۔ بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ان کو ظاہر کر دے۔ یہ مقاصد چند ہیں:

۱۔ ارتفاق ثانی کی اصلاح (ارتفاق ثانی سے مراد وہ روابط تعلقات یا ضرورتیں ہیں، جو ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ پیش آتی ہیں۔ یعنی معاملات و باہمی تعلقات کی اصلاح) کرنا

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارتفاق عرب میں خاص طور پر پھیلا ہوا تھا۔ اور عرب کے علاوہ دوسرے ممالک اور لوگوں میں بھی یہ مشہور اور شائع ذائع تھا۔ لیکن اس ارتفاق میں کجی اور ٹیڑھاپن اور ظلم و زیادتی واقع ہوگئی تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کجی اور ظلم کو اس ارتفاق سے دور کیا ـــــ اور آپ نے نجومیت (یعنی نجوم اور ستاروں سے قسمت معلوم کرنا اور ان کی تاثیر کے ساتھ انقلابات اور سعادت و شقاوت کو وابستہ سمجھنے کا اعتقاد جو اس وقت تمام دنیا میں اور خاص طور پر عرب میں پھیلا ہوا تھا) سے اعراض کرنے کی تجدید فرمائی۔ یعنی آپؐ نے فرمایا کہ نجوم کسی کی قسمت یا بھلے بُرے میں مؤثر نہیں۔ بلکہ سب اختیار اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اسی طرح آپؐ نے طبیعت (مادیت محضہ) سے اعراض کی تجدید فرمائی۔ یعنی جو لوگ اس کے قائل ہیں۔ کہ اس کائنات کا معاملہ محض طبیعت (نیچر) سے چلتا ہے۔ اس کے پیچھے کوئی تصرف کرنے والی طاقت یا ہستی نہیں، بلکہ مادہ خود بخود انقلابات کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اور تغیرات اس کے اندر خود بخود واقع ہوتے رہتے ہیں۔ اس مادیت پر یقین رکھنے والے لوگوں کے خیال باطل کا ابطال کیا، کیونکہ مادیین کا منتہائے نظر صرف ضبعی ارتفاقات ہوتے ہیں۔ اور محض مادی نکتۂ نظر سے اپنا کمال حاصل کرنا ہوتا ہے ـــ اقترابات (اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے اسباب) کیطرف ان کی توجہ قطعاً نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے باطل اعتقاد سے اعراض کرنے کی آپؐ نے تجدید فرمائی۔ (چنانچہ اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے۔ کہ کاہن (غیب کی خبریں بتانے والا) اور نجومی (ستاروں سے لوگوں کی قسمت وابستہ کرنے والا) اور دھری (یعنی مادہ پرستوں) کی تصدیق نہ کی جائے ان کو سچا سمجھنے سے انسان دین اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی طرف اور ان کے علوم کی طرف میلان نہ رکھا جائے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیت سے اعراض کرنے کی بھی تجدید فرمائی جو نور و ظلمت کے قائل ہیں۔ اور نیکی بدی کو یزداں اور اہرمن دو خداؤں کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ اس عقیدۂ باطلہ والوں کی آپ نے تردید فرمائی۔

یہاں اس مقام پر چند امور حاصل ہوتے ہیں۔ جو اس ارتفاق ثانی کے لئے بمنزلہ ارکان کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امور کو اختیار کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ ان کو اخذ کرنا ملت پر عمل کرنے کے مترادف ہوگا اور ان کو ترک کرنا ملت سے خروج کے برابر

ہوگا۔ اور کچھ امور ایسے بھی ہیں، جو صرف تکمیل وتحسین کا درجہ رکھتے ہیں، جن کو اصل بنیاد میں دخل نہیں۔ ایسے امور کو لے لینا بہتر ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اخذ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تاکید نہیں فرمائی۔

اور کچھ امور ایسے بھی ہیں جو اس ارتفاق کو باطل کر دیتے ہیں۔ اس لئے ان کو حرام قرار دیا ہے۔ اور ان کے ترک کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور کچھ امور ایسے ہیں جو اس ارتفاق کو باطل کرنے والے امور کے لئے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ اور راستہ کی طرح ہوتے ہیں۔ یا اس میں نقص پیدا کر دینے والے ہوتے ہیں، لہذا ایسے امور کو مکروہ اور ناپسندیدہ فرمایا ہے۔

اور کچھ امور ایسے ہیں جو ان خرابیوں سے خالی ہوتے ہیں۔ لہذا ان کو جائز اور مباح قرار دیا اور ان مواد کیطرف نظر کرتے ہوئے جو فساد پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا قلع قمع کیا ہے۔ اور مشاجرات اور اختلافات کی طرف بھی نظر کی ہے، جس سے لوگوں میں فساد و بگاڑ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے امور سے زجر و توبیخ فرمائی ہے۔

۲۔ ان مقاصد میں سے ایک اصلاح رسوم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رسوم کی ایسی اصلاح اور درستگی فرمائی ہے جس سے وہ توجہ الی اللہ کی مؤید بن جائیں، نہ کہ اس کے مناقض و مخالف۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان رسومات کو اس طرح جاری کیا جائے کہ جمہور الناس (عوام) کے لئے یہ نافع ہوں۔ اور ان میں وسعت ہو، عوام کے لئے تنگی کا باعث نہ ہوں۔ رسومات میں صرف صالح رسومات کا وجود ہی قابل برداشت ہو سکتا ہے۔ رسومات فاسدہ جو لوگوں کے عقیدہ، عمل یا ارتفاق کو بگاڑنے والی ہوں۔ ایسی رسومات کا ترک کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ اور ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے، کہ ارتفاق ثالث (نظام حکومت) ایسے طریقہ پر قائم کیا جائے کہ ہر مظلوم کو جب بھی اس پر ظلم ہو تو اس کو اس کا پورا حق دلایا جائے۔ اور اس کا بدلہ مکمل طور پر لیا جائے۔ اور انسانوں کو فساد (قانون شکنی اور زیادتی) سے پوری طرح رد کا جائے۔ اور لوگوں کے درمیان مقدمات و تنازعات میں صحیح اور عادلانہ فیصلہ کیا جائے۔ اور ان مفسدین کے خلاف پوری جد و جہد صرف کی جائے، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور مختلف قسم کی پارٹیاں اور جتھے بنا بنا کر لوگوں میں تشویش کا باعث بنتے ہیں۔ نیز شعائر اللہ اور دین کو پوری طرح ظاہر کرنا بھی ضروری ہے۔ اور کفر و فسق کی تذلیل اور ان کے

ساتھ اہانت آمیز سلوک کرنا لازمی ہے۔ اور فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی انجام دینا اور علم کی نشر و اشاعت کرنا۔ اور لوگوں کے لئے وعظ و نصیحت کے سامان مہیا کرنا یہ سب اس حکومت کے فرائض میں داخل ہوں گے۔

۴۔۔۔ ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ "دینِ حنیف" کو ارتفاق رائج کے طریق پر ظاہر و غالب کرنا یعنی بین الاقوامی (انٹرنیشنل) دستور پہ اسطرح اسلام کو غالب کر دینا کہ کرۂ ارض پہ کوئی ایسا آدمی یا فرد نہ ہو جس پر دینِ حنیف کا غلبہ نہ ہو، اور کوئی ایسا فرد نہ پایا جائے جس کے لئے دینِ حنیف کا مقابلہ کرنا ممکن ہو۔ جب اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو لوگ تین قسم ہو جائیں گے۔

ا۔ یا تو ایسے مومن و مطیع ہوں گے، جنہوں نے اپنے پروردگار کی ظاہر و باطن ہر طرح سے فرمانبرداری اختیار کر لی ہے۔ اور جنہوں نے "مذہب حنیفی" کو ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سے اپنا لیا ہے۔

ب۔ یا ایسے ضعیف الایمان لوگ ہوں گے۔ جو بظاہر دین کے مطیع ہوں گے۔ اور اس کے حکم سے برگشتہ نہیں ہو سکیں گے۔ اگرچہ باطن میں اس پہ پوری طرح یقین نہیں رکھتے ہوں گے۔

ج۔ یا پھر کافر ہوں گے۔ جو جزیہ دے کر اپنی آزادی کو برقرار رکھ سکیں گے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا غلبہ تو ان ہی خلفاء کو حاصل ہو گا جو ارتفاق رائج پہ قائم ہوں گے۔ جن کو ایسا عمومی غلبہ حاصل ہو گا، جسطرح "اسکندر ذوالقرنین" کو حاصل تھا۔ اور اس پہ مزید یہ بات بھی ہو گی، کہ ایسے خلفاء کا فرض ہو گا، کہ ان کا قصد دین کو عرصۂ دراز تک باقی رکھنا اور دین کے تسلّط کو بالکل ترو تازہ حالت پر قائم و دائم رکھنا ہو گا۔ اور اس کے لئے کئی امور ضروری ہوں گے۔ ملل و مذاہب باطلہ کا ابطال۔ اور ان کو کالعدم قرار دینا اور ان میں غور و خوض سے منع کرنا۔ اور اس پہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔ اور عام لوگوں کو اس سے شدّت کے ساتھ روکنا۔

۵۔۔۔ اور ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ اس "مذہب حنیف" کو اختیار کرنا ہر اس شخص کے لئے واجب اور ضروری قرار دیا جائے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار ہو اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا قصد و ارادہ رکھتا ہو۔ اور اس سے موافقت اختیار کرنا چاہتا ہو۔

اور یہ اس لئے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کوئی شخص یہود و نصاریٰ میں سے دینِ حنیف پر اگر باقی بھی ہو اور اس نے اس دین میں کسی اور چیز کی آمیزش بھی نہ کی ہو اور نہ اس دین کو کسی باطل کے ساتھ ملایا ہو، تو اگرچہ ایسے شخص کے لئے دینِ محمدی میں داخل ہونا اور اس مذہب کو اختیار کرنا اس کے تکمیلی اور افترانی نقطۂ نظر سے ضروری نہ ہو گا، لیکن پھر بھی اس شخص پر واجب اور

ضروری ہوگا کہ ایک دوسری وجہ سے اس دین میں داخل ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا قصد اور ارادہ یہ ہوا کہ "دین حنیف" کو ارتفاق اربع کے طریق پر ظاہر و غالب کرے اور اسکی رضا اسی میں ہے۔ تو اب اس دین سے اعراض کرنا معصیت ہوگی، اور اس دین کی مخالفت ہوگی اور یہ موجب لعنت ہے۔ اور رحمت خداوندی سے بُعد اور دوری کا ذریعہ۔ علاوہ ازیں یہ احتمال (کہ کوئی یہودی یا نصرانی دین حنیف پر قائم ہو) پایا بھی نہیں جاتا۔ محض ایک فرضی بات ہے۔ کیونکہ تمام ملل کے اندر فساد سرایت کرگیا ہے۔ اور ملل کی روایات بالکل بگڑ گئی ہیں۔ اس لئے اس سلسلہ میں کسی کے درمیان امتیاز کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اب اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی پسندیدگی اسی بات پر موقوف ہے۔ کہ "دین محمدی" کی اطاعت اور انقیاد اختیار کیا جائے۔ اور کھلے طور پر رسالت محمدیہ کا اقرار کیا جائے، بجز اس کے فلاح و نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۶ــــ ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ "دین حنیف" کی مخالفت کو قطعی طور پر برداشت نہ کیا جائے۔ اور اس کی مخالفت کی جڑ کاٹ دی جائے۔ تاکہ کوئی بد باطن شخص اس پر قادر نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اسکی کتابیں اور اس کے دین کے ساتھ کسی قسم کی بے ادبی یا گستاخی کرسکے، نہ سنجیدگی سے اور نہ کھیل تماشہ کی شکل میں، یعنی ذات الٰہی اور انبیاء علیہم السلام اور صحف سماویہ کی توہین کسی طرح برداشت نہ کی جائے۔

اور اسی طرح کسی شخص کو اتنی طاقت بھی حاصل نہ ہو کہ وہ قلب موضوع کرسکے۔ (یعنی دین حنیف کی کسی طے شدہ بات کو چھوڑ کر اس کے برخلاف کوئی دوسری بات اس کے قائم مقام جاری کرسکے مثلاً نیکی کی جگہ بدی اور حلال کی جگہ حرام کو جاری کردے۔ اور اسی طرح کسی میں یہ طاقت بھی نہ ہو کہ وہ عکس مشروع کرسکے۔ (یعنی شریعت نے جو باتیں انسانیت کی بہتری کے لئے مقرر فرمائی ہیں، ان کے برعکس دوسری باتوں کو لوگوں کے سامنے پھیلانے کی کوشش کرے۔) اور اسی طرح کسی شخص کو بھی اس کی اجازت نہ دی جائے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا نام رکھ سکے جس میں اللہ تعالیٰ تنزیہ (پاکی و تقدس) کے خلاف کوئی بات پائی جائے۔ اور نہ کسی شخص میں یہ طاقت ہو، کہ وہ شرکیہ باتوں کو ایجاد کرے۔ اور ان کو لوگوں میں پھیلائے۔ اور نہ کوئی شخص ایسا ہو جو انقیاد مقدس کا مالک بن بیٹھے۔ (یعنی خدا اور رسول کی اطاعت کی بجائے اپنی اطاعت کو انسانوں کے لئے ضروری قرار دے۔) اور کسی وقت بھی شعائر اللہ کو مہمل نہ چھوڑا جائے بلکہ ان پر عمل اور ان کی تعظیم ہر وقت لازم اور ضروری ہو۔

اور ملت حنیفیہ کو کسی دوسری ملت کے ساتھ خلط ملط کرنے کا موقعہ بھی نہ دیا جائے۔

ملت حنیفیہ کا اپنی اصلی ہئیت پر قائم رہنا اور اس کا انقیاد اسی ہئیت پر ضروری ہے۔ بس یہ وہ امور ہیں کہ دین حنیفی کے ظہور و غلبہ نے ارتفاق رائع کے طریق پر ان کو واجب اور لازم قرار دیا ہے۔ اور اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کا قصد و ارادہ اور اسکی رضاء و خوشنودی اسی میں منحصر ہے۔

۶۔ ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو احسان یعنی خدا پرستی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا جائے، اور اسطرح کہ حجابات ثلاثہ (حجاب طبع، حجاب رسم، حجاب سوٗالمعرفت) کو توڑا جائے، اور سکینت اور اطمینان حاصل کرنے کے طریق پر احسان تک انسانوں کو پہنچایا جائے۔ اور ان امور کی ترغیب دی جائے اور ان پر برانگیختہ کیا جائے جو سکینت و اطمینان کے مقتضی ہوں امام ولی اللہؒ نے خود فرمایا ہے کہ وہ حجابات (پردے) جو انسان کو فطری حالت کے قریب ہونے سے روکتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں:

ا۔ حجاب طبع:۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ انسان جسم اور بدن کے تقاضوں کے پورا کرنے میں ہی منہمک رہتا ہے۔ کھانا، پینا، جماع، لباس جسمانی، آرام و آسائش وغیرہ، اور انسانی نفس اس کا ہی مطیع ہو جاتا ہے۔ اور اپنی فطری حالت کو فراموش کر دیتا ہے۔ بہرحال اس حجاب کو توڑنا ضروری ہے۔ طبیعت کو قابو میں لانے کے لئے معتدل قسم کی ریاضتیں، عبادات، نماز، روزہ، اعتکاف، کلام و گفتگو میں کمی، بیداری اور طرح طرح کے مختلف مشوش الوان کی طرف دیکھنے سے نگاہ کو روکنا اور طرح طرح کی پراگندہ باتیں سننے سے اپنے کانوں کو بچانا بھی ضروری ہوگا۔

ب۔ دوسرا حجاب رسم ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان خاص وضع قطع سے مانوس ہو جاتا ہے، جو اس کی قوم یا وطن میں جاری ہو۔ اور اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ لباس، گفتگو، کھانا پینا، نکاح کی رسومات وغیرہ تمام باتوں میں اسی وضع کا پابند ہوتا ہے۔ چاہے وہ وضع دین فطرت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس حجاب کو توڑنا بھی ضروری ہوگا۔ اور تمام ایسی رسومات جو فاسد ہوں ان کو ترک کرنا لازمی ہوگا۔ اور اُن کے بجائے صالح رسومات کو اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

ج۔ تیسرا حجاب سوٗالمعرفت یا جہل باللہ ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کو پہچانتا تو ہو لیکن صحیح طریقہ پر نہ پہچان سکے۔ اور یہ دو طرح ہوتا ہے۔ یا تو خدا کو انسانی صفات کے ساتھ متصف مانے۔ یا انسانوں میں خدا تعالیٰ کی صفات خاصہ ثابت کرے۔ بہرحال اس حجاب کا علاج اس طرح ہوگا۔ کہ ذہن کا تصفیہ کیا جائے۔ یعنی تمام آلودگیوں سے ذہن کو پاک صاف

کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت اور اس پر مواظبت اختیار کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی آیات و مصنوعات میں غور و فکر کیا جائے۔ اور مواعظ حسنہ کا سننا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کی تلاوت کرنا۔ اور اس قسم کے امور سے اس حجاب کا علاج ہو گا۔

۸ــــ ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو شر ثانی سے بچایا جائے اور یہ اس طرح کہ شیطان کے وسوسوں اور خیالات کی مخالفت کی جائے۔ اور ایسی وضع قطع اور شکل و صورت اختیار کرنے سے گریز کیا جائے جو شیطان کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔ اور ملائکہ کے الہام کے ساتھ موافقت اختیار کی جائے۔ اور ایسی ہیئت و شکل اختیار کرنا جو اس کے ساتھ مناسب ہوں۔ اور ان ہیئات کو بعینہا معلوم کر لیا جائے۔ اور شیطان کے وسوسے اور الہامات کی صورتوں کو بھی خوب معلوم کر لیا جائے۔ اور شیطان کی دسیسہ کاریاں اور مکاریاں اور نفس کے مکائد کو بھی خوب معلوم کر لیا جائے۔ اور پھر ان سے خلاصی اور رہائی کا راستہ معلوم کیا جائے۔ نیز شعائر اللہ کی اشاعت اور ان کی تعظیم اختیار کی جائے۔ اور شرک کے شعائر کی تذلیل و توہین کی جائے۔ اور اسی طرح فسق و نفاق کے شعائر کی تذلیل و توہین کی جائے۔ اور ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔ (دوسرے مقام پر امام ولی اللہؒ نے شرور ثلاثہ کی توضیح فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ شر ثانی کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ " شر ثانی یہ ہے کہ پورا ملک شیطان کا مطیع ہو جائے۔ یعنی شیطان کا اثر لوگوں پر غالب ہو جائے۔ اور ملکیت بالکل دب کر رہ جائے جب یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کے غضب اور اسکی طرف سے لعنت کے نزول میں تاخیر نہیں ہوتی۔ اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے کا ارادہ ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ گو صورۃً انسان ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت درندوں اور خنزیروں اور اس قسم کے جانوروں جیسی ہوتی ہے۔ اور ایسے اوقات و مواقع میں ایسے لوگوں میں دجالوں کا بکثرت ظہور ہوتا ہے۔ اور یہ دجال ایسے ہوتے ہیں، کہ خالص شر ان پر غالب ہوتا ہے۔ ان کے جسم و روح دونوں شر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ شر سے چھوٹ کر خیر کی طرف واپس پلٹ سکیں گے۔ یہ دجال برابر شیطانی حقیقت کے قریب ہوتے رہتے ہیں۔ اور بالآخر اس میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے شیطانی حقیقت میں فنا ہونے کی وجہ سے ان میں بسا اوقات خوارق عادت باتوں کا ظہور بھی ہوتا رہتا ہے۔ ایسے وقت میں زمین میں دھنسنا، شکلوں کا بگڑنا، پانی میں غرق ہونا، پتھروں کا برسنا، یا پھر ان لوگوں کا باہمی قتل و قتال کرتے کرتے

ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اتارتے رہنا۔ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ یا پھر اُن پر سخت قسم کے لوگوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ جو ان پر کسی طرح رحم نہیں کرتے۔ پھر خدا تعالےٰ کی مرضی اس طرح پوری ہو کر رہتی ہے۔ کہ ایسے لوگ لعنت وغضب کا شکار ہو کر رہتے ہیں۔ اور یہ سب الٰہی قوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور نوعِ انسانی کی اصلاح و درستگی کا تقاضہ ایسے وقت یہ ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کے لوگ ختم ہو جائیں۔ ان کی مثال اس وقت ایسی ہوتی ہے۔ جسطرح غائت درجہ کا گرم پانی جو قریب ہے کہ بھاپ میں تبدیل ہو جائے۔ اور ان لوگوں کے شر کے مقابلہ میں جو حق نازل ہوتا ہے، وہ یا تو اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ڈرانے والے منذر کو ان میں بھیج دیتا، یا پھر کوئی خلیفہ عادل جو ان کے رؤسا و امراء کو فنا کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ اور ان کو بہائم کی طرح مسخر کر دیتا ہے۔ اور ان کو چھوڑتا نہیں جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ یا جب تک وہ نظامِ خیر کے ساتھ موافقت نہ اختیار کرلیں۔ اگر یہ ممکن ہو۔ تو نہ پھر ایسی سزا ان کو دی جاتی ہے۔ جس سے ان کے نظام کو درہم برہم کر دے اور خود ان کا استیصال کر کے رکھ دے۔

امام ولی اللہ نے شرِ اول کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اس سے مراد انسانوں کا افراط و تفریط کے ساتھ ایسے اخلاق سے متصف ہونا جو طبیعت انسانیہ اور فطرت کے خلاف ہوں۔ اور شرِ ثالث سے مراد یہ ہے کہ تمام نوعِ انسانی میں کوئی ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا یعنی خدا کو ماننے والا نہ رہ جائے جب کہ انسان ظاہر و باطن میں درندوں اور خنزیروں کی طرح ہو جائیں یہ قربِ قیامت میں ہوگا جس کے بعد نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اور قیامت برپا ہو جائیگی۔

۹۔۔۔ ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو عذابِ قبر، حشر اور دوزخ کے فتنہ سے بچایا جائے۔ اور یہ اس طرح ہوگا کہ وہ واقعات جو وہاں پیش آئیں گے ان کو معلوم کیا جائے۔ اور ان کے اسباب بھی دریافت کئے جائیں۔ اور پھر لوگوں کو ان کے ارتکاب سے منع کیا جائے۔ اور زجر و توبیخ کی جائے۔

یہ اہم اور بنیادی مقاصد ہیں رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت کے۔ اگر ان مقاصد کے اوصاف و معانی بالکل ظاہر و باضابطہ ہوں گے۔ تو ان کو علل بنایا جائے گا۔ اور احکام ان پر دائر ہوں گے۔ اور اگر یہ ظاہر نہ ہوں اور نہ باضابطہ ہوں تو پھر ان کے مواقع و لوازم کو طلب کیا جائے گا۔ اور ان کا ارتباط ان کے ساتھ ہوگا۔

سیرت کی اہمیّت

ارشادات حضرت علامہ شمس الحق افغانی

مرتب :- قاری محمد سلیمان استاذ جامعہ رحمانیہ حنفیہ لاہور

برادران اسلام ! یہ سورہ جمعہ کی ابتدائی آیات ہیں۔ دوستوں نے کہا کہ سیرت پر کچھ بیان ہونا چاہیئے۔ میں نے قرآن میں سے ان آیات کا انتخاب کیا، پہلی دو چیزیں بیان کرنی ضروری ہیں۔ کہ آپکی سیرت کی ہر زمانے میں ضرورت رہی ہے، لیکن اس بیسویں صدی میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ضرورت اتنی پہلے نہ تھی جتنی اب ہے۔

تمام انبیاء اور حضورؐ کی شان تمام انبیاء کی شان، مثل ستاروں کے مان لیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مثل آفتاب کے ہیں۔ ہیئت اور علم افلاک کے ماہرین کا کہنا ہے کہ عالم بالا کے ستاروں کی بڑی تعداد اور کرہ ارضی کی بقاء سورج کی کشش کی وجہ سے ہے۔ پھر کرۂ ارضی میں جو کچھ ہے نباتات، حیوانات اور جمادات سب سورج کے محتاج ہیں۔ اسی طرح عالم جسمانیات بھی سورج سے وابستہ ہیں غرضیکہ شمسی نظام درہم برہم ہو جائے تو کائنات کا کوئی کرہ باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ جسمانیات کا حال ہے، یہی حال روحانیات کا بھی ہے، عالم روحانیات میں باقی انبیاء کرام مثل ستاروں کے ہیں۔ اور آپؐ آفتاب نبوت ہیں۔ اگر آفتاب نبوت یا عالم روحانیات کے سورج کی روشنی مدھم پڑ جائے یا نہ رہے۔ تو دلوں اور دماغوں سے نور ہدایت ختم ہو جائے اور یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ تمام ارواح، قلوب اور دماغوں کی روشنی آفتاب نبوت سے وابستہ ہے۔ اگر یہ نور سے خالی ہو جائے۔ تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا جائے۔ تاریکی کسی جانور کا نام نہیں، بلکہ نور کا ختم ہونا تاریکی ہے۔ یہ دونوں لازم النقیضین ہیں۔ ایک کا عدم دوسرے کا وجود ہے۔ اندھیرا اور تاریکی ختم ہو جائے تو نور ہی نور ہے، اسکو قرآن نے فرمایا: یخرجھم من الظلمت الی النور ــــ نبی اسی لیئے بھیجے جاتے ہیں۔ کہ مخلوق کو کفر و شرک اور بداخلاقی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و یقین، خداپرستی کے

راستہ پر ڈال دیں، اپنی سیرت سے۔ اگر قلب و دماغ اور ارواح سے نور ختم ہو جائے تو قبر اور آخرت کا تاریک ہو جانا تو بعد کی بات ہے۔ دنیا بھی بے نور ہو جاتی ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تاریکی ہی تاریکی ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا۔ "ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔" آج یہی حال ہے کہ بھائی بھائی کو، بیٹا باپ کو اس ظلمت میں نادانی کی وجہ سے ختم کرنے کے درپے ہے۔ اس لئے کہ: مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ اور نورِ ہدایت سے محروم وہی رہتے ہیں جو خود ہی حصولِ ہدایت کا قصد نہیں کرتے بلکہ بھاگتے ہیں۔

غرض دنیا ہمیشہ محتاج رہی ہے آپ کی سیرت کی بجز اس لعنتی دور کے، کہ اس میں انبیاء کی مقدس تعلیمات کی روشنی، قرآن و حدیث کا نور، مسلمانوں کے دلوں سے بھی نکل چکا بجز چند ایک خوش نصیبوں کے الا ماشاء اللہ۔ مگر اب تو ان کا بھی تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ یعنی اس کے درپے ہیں کہ یہ کیوں باقی ہیں۔ یہ بھی ختم ہو جائیں۔ اور ہم قبر و آخرت کے اندھے تو ہیں ہی۔ یہ چند روزہ دنیا کے ایام بھی تاریکی ہی میں کٹیں۔

خالقِ کائنات، مدبراتِ امر، اور عقلاء یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ اور اس انتظار میں ہیں کہ یہ بدمعاش کب جنگی ہوتے ہیں۔ کس ایٹم سے ان کا ستیاناس ہوتا ہے۔ اب خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی آسمانی عذاب۔ بجلی کی کڑک، آندھی یا طوفانِ نوح نہیں آئے گا، فرشتے کسی بستی کو نہیں الٹیں گے۔ بلکہ ترقی یافتہ انسانوں نے اپنی تباہی کے سامان خود تیار کرلئے ہیں۔ اب تباہی کے لئے آسمانی ذریعہ اتارنے کی ضرورت نہیں۔ تم ترقی یافتہ ہو۔ اب عذاب بھی اسی دور کے مطابق ہوگا۔ لوگوں نے اللہ کی ہدایات کو پسِ پشت ڈالا۔ اب اپنے ہاتھوں پٹیں گے۔ اپنے بنائے ہوئے ایک ایٹم اور ہائیڈروجن بم سے راکھ اور خاکستر ہو جائیں گے۔ فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون۔ ذالک بما قدمت ایدیکم۔

دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے

اس وقت مجموعی حیثیت سے آپ نگاہ ڈالیں۔ دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ پچھلے دنوں امریکہ کے وزیرِ جنگ نے اعلان کیا ہے کہ اگر ہم چین اور روس سے لڑیں تو اپنی طاقت کے بل بوتے پر چند گھنٹوں میں ان طاقتوں کا صفایا کرسکتے ہیں ۔۔۔ اب غور کیجئے اتنی طاقت اگر برطانیہ خرچ کرے اتنی ہی طاقت روس اور چین استعمال کریں۔ تو اب جبکہ ساری دنیا کے انسانوں کی آبادی ڈھائی سو کروڑ سے، ختم کرنے میں دو دن بھی نہیں لگیں گے۔ یعنی انہوں نے وہ اسباب مہیا کرلئے ہیں کہ پوری اولادِ آدم کو جو ہزارہا سال کے بعد اس تعداد کو پہنچی ہے۔ چند گنے چنے لمحوں (گھنٹوں) میں نیست و نابود کرسکتے ہیں۔ اب انتظار کیجئے، یہ تباہی کب

رونما ہوتی ہے۔ ہم بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ صرف اوپر فیصلہ میں دیر ہے۔ آسمانی فیصلہ ابھی نہیں ہوا کہ ان گندوں کو کب صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا جائے۔

پہلے فیصلہ ربانی ہوگا۔ دوسرے نمبر پر تصادم، تیسرے نمبر پر ایٹمی ہتھیار استعمال ہوں گے اور چند گھنٹوں میں کرۂ ارض یوں ہو جائے گا۔ گویا کان لم یکن شیئاً مذکوراً۔

پچھلے دنوں امریکہ میں سائنسدانوں کی ایک بہت بڑی کانفرنس ہوئی جس میں مشہور امریکی سائنسدان رابرٹ نے ایک تین تولے کا ایٹمی بم پیش کیا۔ ڈان (DAWN) میں اس پر مقالہ لکھا گیا۔ اخبار بین حضرات کو معلوم ہوگا، اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر اس بم کو پھینکا جائے، تو انسان حیوان، چرند، پرند سب کا خاتمہ کر دے، اور ایک لاکھ میل تک سبزہ نہ اگے ــــ یہ ہیں کارنامے دنیا کی سب سے مہذب اور تعلیمیافتہ قوم کے، جس کی تہذیب پر ہم لٹو ہو رہے ہیں ــــ بابا امریکہ کے کارنامے تو یہ ہیں جس پر شیطان بھی حیران ہے۔ شیطان نے تو یہ کہا کہ انسان رہے تو سہی لیکن اللہ کا باغی بن کر رہے، یورپ و امریکہ نے کہا نہیں نہیں اس کا وجود ہی ختم کر دو۔ یہ تو شیطان سے بھی نمبر لے گئے۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں، لیکن ہمارے اور ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ہم تو کہتے ہیں: رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ اللہ کے نافرمان کا وجود دنیا سے ختم ہو جائے اور جو خلافت کے اہل ہیں وہ ضرور رہیں اس لئے کہ: اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ، دو جنگیں یورپ میں ہو چکی ہیں۔ اب یورپ چاہتا ہے کہ تیسری بڑی جنگ ایشیا میں لڑی جائے۔ دنیا کی سب سے زیادہ مسلم آبادی افریقہ میں ہے، اور براعظموں سے رقبہ کے اعتبار سے بھی براعظم افریقہ بڑا ہے۔ لیکن ایشیا میں بھی بہت بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، چین، امریکہ، روس اور برطانیہ، دنیا کی یہ سب سے بڑی طاقتیں ٹکرا گئیں۔ اور تیسری بڑی جنگ یہاں لڑی گئی۔ تو یہاں کی تہذیب، یہاں کا تمدن، علوم و فنون، درسگاہیں، کالجز، یونیورسٹیاں، لائبریریاں، کتب خانے، غرض سب کچھ مٹ جائیگا۔ دوستو! یہ نتیجہ ہے اس ترقی کا جو سیرت کے بگاڑ سے پیدا ہوئی۔ تناسب و اعتدال کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر انگریز کی ہر بات کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو مدینے والے کی تہذیب سے یورپ کی تہذیب زیادہ پیاری ہے، شراب خور، زانی، چور، ڈاکو، راہزن، انسانیت کے قاتل۔ دنیا کے سب سے بڑے ظالم جو ہیں ان کے سامنے سر تسلیم خم ہے، لیکن صاحب سیرت مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہیچ ہے: العیاذ باللہ۔ اسکو دین ملا کہہ کر

ٹھکرا دیتے ہیں۔ ہاں ہاں! یہ دین ملّا نہیں۔ یہ دین مولیٰ ہے۔ بے ایمان دین کی اہمیت گھٹانے کے لئے عجیب حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے تو کبھی تمہارے دین کو دین یورپ، دین انگریز اور دین مسیحی نہیں کہا۔ حالانکہ وہ ہے ۔ اور یہ دین، دینِ ملّا نہیں دینِ مولیٰ ہے، تم نے جان چھڑانے کے لئے کہہ دیا یہ دین ملّا ہے۔ حالانکہ کس کی طاقت ہے اور وہ کون ہے جو دنیا میں دین ایجاد کرے۔ نبی کی طاقت نہیں نبیؐ بھی وہی کہتا ہے جو اوپر سے ملتا ہے۔ ایسے خدا تمہیں ہدایت دے، تمہارا دین اللہ کا دین ہے، یا ملّا کا۔ اور سب دین تو دنیا سے مٹ گئے کیا اسے بھی مٹانے کے درپے ہو! یاد رکھو! یہ باقی رہے گا، تم مٹ جاؤگے۔

دین میں ملّا کی مثال ایسی سمجھو، جیسے خزانہ شاہی پہ دس بیس یا پچاس سپاہیوں کا پہرا ہو، جو چوبیس گھنٹے اس کی چوکیداری کرتے ہوں، کہ کوئی چور یا نقب زن کسی غلط راستے سے شاہی خزانے کو لوٹ نہ لے۔ بس دین خزانۂ شاہی ہے، اور ملّا اس کا چوکیدار ہے، اسکو جان دینی پڑی تو دریغ نہ کرے گا۔ لیکن دین کے خزانے سے کسی کو ایک پائی نہیں اٹھانے دے گا۔ اور نہ کسی کو چور دروازے سے گھسنے دیگا۔ آج دین کا، اسلام کا لیبل لگاکر لوگ دین میں قطع برید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جہاں کہیں سے کوئی ذرا بھی سر اٹھاتا ہے۔ تو دین کے یہ چوکیدار اس کے لئے پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس دور میں زیادہ ضرورت آپؐ کی سیرت مقدسہ کی ہے۔ جبکہ ہدایت، روشنی، نور تقریباً گم ہو چکا ہے۔ ایک آدھ کرن باقی ہے۔ یہ سب اجالا اس ایک آدھ کرن سے ہے جو ملّا کے دم قدم اور اسکی برکت سے باقی ہے۔ اللہ کی نصرت ملّا کے ساتھ ہے، یورپ و امریکہ پورا زور لگا رہے ہیں کہ مسلمانوں کے دل و دماغ سے رہی سہی ہدایت اور نور کو بھی ختم کر دیا جائے اور ان کے دلوں میں یہ شیطانی اثرات، بے دینی اور بے حیائی سمو جائے ۔ اور مسلمان کافی حد تک ان کا شکار ہو چکے ہیں۔ بے حیائی کا تو ان چند سالوں میں ایک سیلاب امنڈ آیا ہے۔ جسے اللہ ہی روک سکتا ہے۔

ایسے وقت میں شاہِ دوجہاں کی سیرت کا بیان فرضِ عین ہے، بہت ضروری ہے لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ ایک زمانے سے مسلمان دین سے گلوخلاصی کر رہے ہیں۔ اور بند بند کر توڑتے جا رہے ہیں۔ لیکن جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے۔ تو سیرت کے بڑے بڑے جلسے

کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں، عالیشان گیٹ، شاندار قمقمے، اور لمبی چوڑی جھنڈیاں باندھی جاتی ہیں، پوسٹر چھپتے ہیں، مقررین حضرات، دھوئیں دھار، اچھے دار تقاریر کرتے ہیں، رات دن مسلسل بول بول کر گلے بیٹھ جاتے ہیں، میرے خیال میں اس تھوڑے سے عرصہ میں تقریباً دس ہزار جلسے ہوتے ہوں گے۔ لیکن عمل کے میدان میں سب کورے ہیں۔ اور ماشاء اللہ مولوی صاحب رات کو سیرت نبوی پر بڑا جامع وعظ فرماتے ہیں۔ رات کے بارہ بجے تک تقریر ہوتی ہے، لیکن صبح کی نماز اکثر مولوی صاحب سے بھی رہ جاتی ہے۔

ایک مولوی صاحب تھے جو انگریزی سے بالکل ناآشنا تھے۔ ایک دن اخبار دیکھ رہے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ مولانا یہ نفرنس کیا ہوتا ہے کس بلا کا نام ہے۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہ لفظ تو سننے میں نہیں آیا۔ یہ تو کسی زبان کا لفظ نہیں۔ میں نے اخبار جو دیکھا تو وہاں لکھا تھا احرار کانفرنس اور اس نے پڑھا احرار کا نفرنس۔ تو کانفرنس انگریزی لفظ ہے۔ بڑے بڑے پوسٹر شائع ہوتے ہیں، اوپر لکھا ہوتا ہے سیرت کانفرنس، اسی طرح ان مسٹر حضرات میں سے ایک شخص مجھ سے پوچھنے لگا۔ دین اسلام کی فلاسفی کیا ہے، میں سوچ میں پڑ گیا کہ فلاسفی کس بلا کا نام ہے، اصل لفظ، فلسفہ ہے، کہتے ہیں، فلاں بات کا فلسفہ، حکمت راز، بھید، سر، لِم کیا ہے۔؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ بہت سے نئے حضرات ہر دینی مسئلہ کی فلاسفی پوچھا کرتے ہیں۔ اس لفظ کا اور تو کوئی معنی نظر نہیں آتا۔ شاید فلاسفی فلسفی کی بیوی کا نام ہو۔

یہ لفظ سیرت بھی وضاحت طلب ہے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ لفظ سیرت کی کچھ وضاحت کروں، کیونکہ سیرت کے جلسے آنے والے ہیں۔ مسلمان جلسے کروانے میں شیر ہیں۔ لیکن عمل کے وقت گیدڑ بن جاتے ہیں۔ ایک شخص کے بارے میں سنا ہے، کہ وہ روزہ نہیں رکھتا تھا لیکن افطاری کے وقت سب سے پہلے آکر دستر خوان پر بیٹھ جاتا۔ کسی نے اسے کہا، ارے بدبخت روزہ تو رکھتے نہیں، افطاری کے لئے سب سے پہلے آجاتے ہو۔ کہنے لگا، اللہ کے بندے کیا سارے گناہوں کا ٹھیکہ میں نے لے لیا ہے۔ ایک گناہ تو یہ کرتا ہوں، کہ روزے نہیں رکھتا۔ اب افطاری بھی نہ کروں، یہ ڈبل ڈبل گناہ، کیا مجھے خالص کافر بنانا چاہتے ہو! ـــــ اب یہ سیرت کے جلسے بھی افطاری والا معاملہ ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، کہ سیرت ایک لفظ ہے جو مقابل صورت کے،

صورت کا تعلق بدنِ انسانی سے ہے، اور سیرت کا تعلق روح اور اعمالِ انسانی سے ۔ انسان کا ایک بدن ہے اور ایک جان و روح ہے ـــ آپ کہتے ہیں، جی، فلاں خوبصورت ہے ـــ کیا مقصد؟ یعنی اس کے بدن کا ڈھانچہ، ساخت، اعضاء ایک خاص تناسب اور اعتدال پر ہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے، فلاں خوب سیرت ہے، تو مقصد یہ ہوگا کہ اس کے اندر جو روح ہے وہ ایک خاص تناسب پر ہے، بیرونی اثرات سے اس میں بگاڑ نہیں آیا ۔ ظاہری خوبصورتی صورت ہے ۔ اور باطنی خوبصورتی سیرت ہے ۔

ظاہری خوبصورتی میں ضروری ہے کہ بدن خاص اعتدال، تناسب، توازن، صحیح اور برابر ہو، ہر عضو اپنی اپنی جگہ بدن کے مطابق ہو ۔ اور اگر بخلاف اس کے قامت ڈیڑھ فٹ ہو اور ساتھ ڈاڑھی بھی ہو تو یہ باعثِ تمسخر ہے، اور اگر ۱۶ گز ہو تو بھی باعثِ مذاق ہے ۔ نہ زیادہ بلند ہو، نہ بہت پست ۔ پھر کل کے علاوہ اجزاء میں بھی تناسب ضروری ہے ۔ ناک اگر باجرے کے دانے برابر ہو تو بھی بھدی معلوم ہوتی ہے، اور اگر ہاتھی کی سونڈ جتنی ہو تو بھی ٹھیک نہیں، آنکھ اگر چیونٹی کے برابر ہو تو پتہ ہی نہ چل سکے کہ آنکھ ہے بھی یا نہیں، شاید فرشتے بھول ہی گئے ۔ اور اگر اتنی بڑی ہو گویا شاہی مسجد کا تالاب، اسی پر دانت، کان وغیرہ کو قیاس کر لیں، غرض سر سے پاؤں تک کا سارا ڈھانچہ ایک خاص اعتدال و توازن پر ہو ۔ یہ ہے بدن کی ظاہری خوبصورتی ۔ باقی رہا کالا پن اور گورا پن، یہ انگریز کا مذہب ہے، اسکی تقسیم ہے، ہمارے ہاں یہ کوئی کمال نہیں ۔ یورپین بے اعتدال اور بے ذوق ہیں، شیطان کی نیابت میں عورتوں کے حسن کا مقابلہ کرتے ہیں ۔ یہ ان کا آرٹ، فن ہے ۔ آخری فیصلہ ٹانگوں پر کرتے ہیں یعنی اول وہ عورت آتی ہے جسکی ٹانگیں خوبصورت ہوں ۔ یہ بدذوق گناہ کی پہچان بھی نہیں رکھتے، ناجائز کام کا بھی ڈھنگ نہیں آتا ۔ دنیا حسن کا فیصلہ چہرے اور رخساروں سے کرتے ہیں ۔ یہ ٹانگوں سے کرتے ہیں ۔ ولا تکونوا کالذین نسوا اللّٰہ فانسٰھم انفسھم اولٰئک ھم الفٰسقون ؕ ان پر دنیا میں بڑا عذاب، عقل کا ٹیڑھا کر دینا ہے، تفصیل کا مقام نہیں ورنہ میں ثابت کرتا کہ یورپ والے مکمل دیوانے اور اولادِ آدم میں سب سے بڑے پاگل ہیں ـــــ (باقی آئندہ)

دار الافتاء دار العلوم دیوبند

معتبر اور مستند مسائل

رمضان المبارک
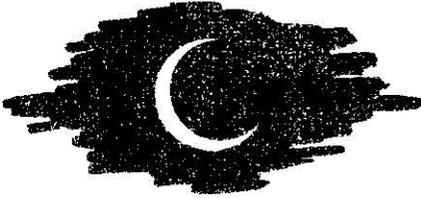
کی

فضیلت اور اس کے احکام

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے۔ اسکی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف میں خاص مشغلہ تلاوت قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یاد خداوندی سے معمور رکھنا ہے، روزے میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب ہلاک کر دیتے ہیں، جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

روزے میں نیت کی ضرورت

روزے میں نیت شرط ہے۔ نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔ رمضان کے روزے کی نیت نصف دن سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزے کا مفسد ہو نہ کیا ہو، اس کے بعد اگر نیت کریگا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنا فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اسطرح نیت کر لیا کرے۔ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔ اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کرے تب بھی جائز ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے، نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلا اختیار حلق میں گرد وغبار یا مکھی یا مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ آٹا پیسنے اور تمباکو

کوٹنے سے جو آٹا یا تمباکو وغیرہ اڑ کر حلق میں جاتا ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے، یا قے اگر خود بخود لوٹ جائے، ان سب باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور کچھ خلل نہیں آتا۔ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا۔ بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قصداً تھوڑی سی قے کی جائے (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر تھوڑی سی قے آئے اور قصداً لوٹا کر نگل لی جائے تو اس میں اختلاف ہے، اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزے میں خلل نہیں آتا۔

اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہو گئی تو روزے میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

قضا واجب ہو گی یا نہیں

کان میں یا ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئے اور اسکو نگل جانا، کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں، مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے تانبے وغیرہ کو نگل جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور صرف قضا واجب ہو گی، دن باقی ہو اور غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے روزہ کھول لیا جائے تو صرف قضا واجب ہو گی کفارہ نہیں۔ جان بوجھ کر بدون بھولنے کے صحبت کرنا، کھانا، پینا روزہ کو توڑتا ہے۔ اور اس سے قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اسکی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا، اسکی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

مکروہ ہے

بلا ضرورت کسی شئے کو چبانا یا نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے۔ قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے۔ تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے، اس سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے، روزہ میں فصد کرانا پچھنے لگوانا مکروہ ہے، غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔

مکروہ نہیں

مسواک کرنا، سر پر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں، سرمہ لگانے یا سرمہ لگا کر سو جانے سے روزہ میں خلل نہیں آتا، ناواقف لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند، نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں۔ آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزہ نہ رکھے تندرستی کے وقت قضا کرے۔ اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے۔ اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے چھتیس کوس یعنی اڑتالیس میل (۷۷ ½ ، کیلو میٹر) کا سفر ہو یا اس سے زیادہ ہو وہ سفر شرعی کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کھایا پیا نہیں، تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں دو تین گھنٹے میں ۴۸ میل (۷۷ ½ ، کیلو میٹر) پہنچ جائے گا۔ تو اس کے لئے بھی سفر کی رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے۔ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر (بوزن انگریزی) یا ایک کیلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر پھر کبھی طاقت آجائیگی تو قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے معمولی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آوے جب خون بند ہو جاوے، روزہ رکھنا چاہئے، اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزے کی قضا ضروری ہے، جن دنوں میں یہ عذر رہا ہے، جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا، پینا نہیں چاہئے، بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور قضا رکھنا

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ پس اگر ایسا سخت بیمار ہو گیا کہ روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں، تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں، کیا خبر موت آجائے، اور

فرض ذمہ پر رہے، مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ قضاء رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر یعنی لگاتار رکھے یا جُدا جُدا متفرق۔ اگر قضاء رکھنے کا وقت پایا، لیکن بغیر ادا کئے مرگیا، تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (ایک کیلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے۔ اور روزے کے صدقہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کی فضیلت

روزہ کے لئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعثِ ثواب ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "سحر کھایا کرو کہ اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے، بلکہ ایک یا دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبائے گا تب بھی ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصّہ میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے اور اگر دیر ہوگئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہوگئی (اور کچھ کھالیا) تو شام تک رُکنا اور پھر قضاء رکھنا لازم ہے۔ اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک کہ صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

روزہ افطار کرنا

آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہیئے، البتہ ہیں روزِ ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے۔ کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعثِ ثواب ہے۔ اور یہ نہ ہوں تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرنی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزے میں نہیں آتا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو، اور خرما و کھجور سب سے افضل ہے۔ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا۔ پھر تم اس کو واپس کر کے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام یا مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو، یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے۔ اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کر دی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے: اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ اور افطار کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھے: ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تراویح اور وتر

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح با جماعت مسنون ہے۔ بعض لوگ جو بارہ یا آٹھ بتلاتے ہیں، درست نہیں۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآنِ مجید ختم کر دینا چاہیئے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو، اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیئے۔ چار نہ سمجھے۔ جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ با جماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے۔ جس شخص کو عشاء کے فرض با جماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ با جماعت پڑھ سکتا ہے جو حافظ روپے کی طمع میں قرآن مجید سناتا ہے۔ اس سے وہ امام بہتر ہے جو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے پڑھائے۔ اگر اُجرت مقرر کر کے قرآنِ مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو، اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں، حدیث و فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

اعتکاف اور شب قدر

اخیر عشرہ میں اعتکاف سنّت ہے۔ اگر تمام بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیّت کر کے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل و وضو کے باہر آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں البتہ نیک کلام کرنا چاہیئے بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیئے۔ اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے۔ جس میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔ اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیسؔ تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو، یہ بھی جائز اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹے کے لئے اعتکاف کی نیّت سے مسجد میں رہے۔ شب قدر کا رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے، لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔

جناب اختر راہی، بی۔ اے

مولانا محمد جعفر تھانیسری رح

ایک عہد

ایک شخصیت

ایک تاریخ

تحریکِ مجاہدین کا ایک جانباز

۲؍مئی ۱۸۶۴ کا دن ہے اور انبالہ شہر کی عدالت۔ اس عدالت میں بیسیوں مقدمات سنے گئے اور سینکڑوں افراد کی موت وحیات کے فیصلے ہوئے، لیکن کبھی اس قدر ہجوم خلق نہ ہوا۔ آج عدالت کے صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔ جدھر نگاہ اٹھائیے، انسانوں کا ایک سمندر موجزن ہے۔ اس سمندر کے ہر فرد کے چہرے پر یاس ومسرّت کی دوگونہ آویزش ہے۔ ہر طرف باغیوں کا ذکر ہے۔ دو چار افراد ان نادانوں کی "نادانی" پر ناصحانہ رنگ میں تنقید فرما رہے ہیں۔ لیکن اکثر وبیشتر زبانیں ان نادانوں کی" دانائی وفرزانگی کے تذکرے میں مشغول ہیں۔ کیوں نہ ہو۔؟ جبکہ ان نادانوں نے ہزارہا سینوں میں وہی آگ بھر دی ہے جس سے وہ خود بے کل ہیں۔

انگریز جج شہر کے چار قانونی مشیروں کے ساتھ انصاف کی کرسی پر بیٹھا ہے مشیروں کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی صورتیں رہائی پا جائیں لیکن اپنی آرزو کے علی الرغم جج کی خوشنودی کے لئے فیصلے پر دستخط کر دیتے ہیں۔ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوئے مجاہد، جن کے چہرے سجدوں کے نور سے منوّر اور دل سکنیت وطمانیت سے لبریز ہیں۔ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے، کہ انہوں نے سرکار انگریزی کے خلاف بغاوت کی ہے۔ سید احمد شہیدؒ کے جانباز عقیدتمندوں سے تعاون کیا ہے اور اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر سرحد پار مجاہدوں کے لئے اسلحہ اور سامان رسد بھیجا ہے، وہ مجاہدین جنہوں نے سرحد پر شورش مچا رکھی ہے۔ انگریزی سرکار کو دم نہیں لینے دیتے۔ ان کی

امداد کر کے ملک کے استحکام کے درپے ہوئے ہیں۔

انگریزی سرکار کو ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کا علم ہو گیا ہے، وہ جانتی ہے کہ ان کے درمیان ایک خفیہ زبان بولی جاتی ہے۔ اشاروں اور کنایوں میں بات کی جاتی ہے۔ صادق پور (پٹنہ) سے لیکر سرحد تک ان کے کارندے پھیلے ہوئے ہیں۔ اور رازداری کا یہ عالم ہے کہ راز کی پاسداری کے لئے جان قربان کر دینا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سرکار کے عظیم نقصان کا باعث یہی صائم بالنہار وقائم باللیل۔ (دن کو روزہ دار اور رات کو عبادت گذار) "مجرم" ہیں۔

انگریز جج دل ہی دل میں خوش ہے، جس کا اظہار متبسم ہونٹوں اور بشاش چہرے سے ہوتا ہے۔ آج وہ ان مجرموں کو ایسی سزا دینے والا ہے کہ آئندہ کوئی "مجنون" انگریزی سرکار سے ٹکر نہیں لے گا۔ ممکن ہے سزا کا حکم سنتے ہی یہ "مجرم" کانپ اٹھیں، ان پر لرزہ طاری ہو جائے، عفو و درگزر کے خواستگار ہوں، اور رازِ دروں سے پردہ فاش کر ڈالیں۔

عدالت پر تمام نگاہیں مجرموں پر جمی ہوئی ہیں۔ اور حاضرین کان لگائے فیصلے کے منتظر ہیں۔ انگریز جج کرسی سے اٹھتا ہے، تہور آمیز لہجے میں ایک خوبرو نوجوان سے مخاطب ہے جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے کی بجائے صبر و استقامت کا غازہ ہے۔ اس کے بشرے سے خاندانی نجابت ٹپک رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں سے نکلے ہوئے الفاظ کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے موتی معلوم ہوتے ہیں، اس کی آواز میں کوئی ارتعاش نہیں بلکہ انگریزی سرکار کے لئے ایک خندۂ استہزا ہے۔ جج نے اس سے کہا:

> "جعفر! تم عقلمند تھے، تمہارا شمار شہر کے شرفاء میں ہوتا تھا، پڑھے لکھے تھے اور پھر ملک کے قانون سے واقف تھے۔ لیکن اس کے باوجود تم نے اپنی صلاحیتیں انگریزی سرکار کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں صرف کیں۔ تم نے سرحد پار مجاہدوں کو اسلحہ اور سامانِ رسد فراہم کیا۔ تم نے برائے نام بھی سرکار کی حمایت نہ کی۔ بار بار کی فہمائش کے باوجود تمہارے اس جنون میں اضافہ ہوتا رہا۔ تم نے سرکار کو فریب دیا، اور ملک کی سالمیت و استحکام کے لئے خطرہ بنے ۔۔۔ ان ناقابلِ معافی جرائم کی بنا پر ہم تجھے پھانسی کی سزا دیتے ہیں، تمہاری جائیداد ضبط کر لی جائیگی اور تمہاری لاش تمہارے وارثوں کے حوالے کرنے کی بجائے ذلت آمیز طریقے سے بدبختوں کے قبرستان میں

گاڑھ دی جائے گی، میں تجھے پھانسی کے تختے پر لٹکتے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔"

حاضرین فیصلہ سن کر مبہوت رہ گئے کہ آج فطری حق آزادی کا نام لینا درحقیقت تختۂ دار کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور صدمے نے بے کل کر دیا۔ لیکن جواں سال جعفر وقار و تمکنت کی تصویر بنا یہ تہور آمیز خطاب سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ پھول کی طرح مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نرگس کو شرما رہی تھیں، اور دل سکینت و طمانیت سے لبریز تھا۔ جج نے اپنی فرحت و انبساط سمیٹے ہوئے بات ختم کی ہی تھی کہ نوجوان کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی:

"جان دینا اور جان لینا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہتا ہے زندگی سے سرفراز کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ مسٹر جج! تمہارے ہاتھ میں زندگی ہے نہ موت۔ لیکن میرا رب العزت اس پر قادر ہے کہ میرے تختۂ دار پر جانے سے پہلے تمہیں ہلاک کر ڈالے۔"

نوجوان کی صاف گوئی سے جج تلملا اٹھا، لیکن کر ہی کیا سکتا تھا، وہ تو اپنی بساط کا آخری مہرہ چلا چکا تھا، اور اپنے ترکش کا آخری تیر پھینک چکا تھا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا، لیکن جعفر مسرور و شادماں تھا، جیسے اس ہفت اقلیم کی جہانبانی مل گئی ہو۔ اس کی کیفیت ایسی تھی کہ گویا جنت کے باغوں کی سیر کر رہا ہو اور ہر لمحہ مسرت و انبساط میں تحلیل کر رہا ہو۔

یہ جعفر نامی باغی نوجوان کون تھا؟ جسے سرکار انگریزی کا تہور مرعوب نہ کر سکا اور عدالت کا رعب بے اثر ثابت ہوا۔ وہ مجاہد شب زندہ دار جس کے الہامی الفاظ سچ ثابت ہوئے کہ موت کا فیصلہ سنانے والا پہلے خود ہی موت کا لقمہ بن گیا، اور موت کی آرزوؤں میں تڑپنے والا اپنا افسانہ زندگی "کالا پانی" کے نام سے سنانے کیلئے زندہ رہ گیا۔

یہ بیباک نوجوان قصبہ تھانیسر (ضلع انبالہ) کا رہنے والا تھا، رائیں قبیلے کے صاحب جائیداد میاں جیون کا بیٹا تھا۔ ابھی لڑکپن ہی تھا کہ چشم فلک نے والد کی وفات دکھائی۔ غالباً اہل حوصلہ کی تربیت کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ وہ کسی فرد فانی پر انحصار کے بجائے اللہ پر توکل رکھیں۔ والدہ نے تربیت کی۔ لڑکپن ہی میں عابدہ و زاہدہ ماں کی تربیت کے طفیل تہجد گزار بن گیا اور نماز کا ایسا عادی ہوا کہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے اشاروں سے نماز ادا کر لی۔

لڑکپن آزاد روی میں گزرا جاتا تھا کہ حصولِ تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اور جلد ہی مروّجہ تعلیم سے فارغ ہوگیا۔ قرآن کا مطالعہ کیا، احادیث ازبر کیں اور طب سے واقفیت بہم پہنچائی۔ لڑکپن تو آزاد روی کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن لڑکپن میں یہ دینی انہماک غالباً اس ناخواندہ ماں کی صحبت کا اثر ہے جس نے سانپ کے کاٹے کے لئے مشرکانہ رسوم سے گھر کو آلودہ نہ ہونے دیا "توحید" کا درس دینے والی وہ ذی شان خاتون درس دے گئی۔ کہ "خدا سے ڈرو کہ خدا کا خوف دنیا کے ناخداؤں کے خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

مروّجہ تعلیم کے بعد مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کر دی اور اس کوچہ کی "گردواڑائی" کی بدولت جلد ہی وہ مقام حاصل کر لیا کہ وکلاء عرائض نویس سے قانونی مشورے لینے لگے اور ولیم، ولسن ہنٹر کے بقول قرب وجوار کے زمینداروں کا قانونی مشیر بن گیا۔ یہی بادیہ پیمائی عدالت میں کام آئی، وکیلوں کا سہارا لینے کی بجائے اپنی قوتِ خداداد اور استخراج نکات پر بھروسہ کیا اور گواہوں سے جرح کر کے انہیں لاجواب کر دیا۔

۱۸۳۱ء میں تحریکِ مجاہدین بظاہر بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں سو گئی، لیکن حریت کے پروانے سید شہیدؒ کے مقدس مشن کو جاری رکھنے کے لئے "نند یاٹھ" میں جمع ہوئے اور اپنا امیر چن لیا۔ شہادتِ سیدؒ کے بعد تحریک کے دو مراکز بنے، دلی اور صادق پور پٹنہ۔ اس نوجوان کا تعلق پٹنہ سے تھا، ہنٹر کی رائے کے مطابق مولوی یحییٰ علی صادق پوری کی ترغیب پر جہاد میں شریک ہوا۔ وہ نوجوان جانتا تھا کہ جس راہ کا انتخاب وہ کر رہا ہے، وہ پھولوں کی سیج نہیں ہے بلکہ اس راہ کے کانٹے پلکوں سے چننے پڑتے ہیں۔ اسی خیال کی وجہ سے بوقتِ نکاح پوری جائیداد بیوی کے حق مہر میں لکھ دی۔

تھانیسر، پٹنہ اور سرحد کے درمیان ایک اہم "قلعہ" تھا۔ یہیں "پیر وخان" یا "پیر وخلیفہ" مولوی محمد جعفر کے بھیس میں کام کر رہا تھا۔ تھانیسر ایک ہی وقت میں بیت المال اور ریکروٹنگ آفس تھا۔ یہ خاموش اور "پیر وخلیفہ" کے پردے میں کام کرنیوالا نوجوان شیخ الکل میاں نذیر حسین سے متعارف تھا، کیونکہ ۱۸۶۵ء میں راولپنڈی میں نظر بند مولوی نذیر حسین کے کاغذات میں سے جعفر تھانیسری کے تین خطوط بھی نکلے تھے۔

حکومت کو ٹوہ ملی کہ یہی وہ خطرناک شخص ہے جس کی بدولت انگریزی سرکار کا کثیر مالی و جانی نقصان ہو رہا ہے۔ تو ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو خانہ تلاشی ہوئی۔ نوجوان فرار ہوگیا۔ اس کی گرفتاری

کے لئے دس ہزار روپے کا انعامی اشتہار شائع ہوا۔ آخر علی گڑھ سے گرفتار ہوا، اور انبالہ لایا گیا۔ انبالہ جیل کی کٹھنائیاں اور سختیاں جھیلیں اور عدالت انبالہ میں پیش ہوتا رہا۔ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انگریز جج نے سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا اور ہائی کورٹ نے سزائے موت کو حبس دوام بعبور دریائے شور سے بدل دیا۔

۶ ستمبر ۱۸۶۴ء کو ہائی کورٹ کا فیصلہ سنایا گیا۔ اس وقت مجاہد شب زندہ دار انبالہ جیل کی تنہائیوں میں پڑا انگریزی حکومت کی سختیاں برداشت کر رہا تھا۔ آخر فروری ۱۸۶۵ء کو انڈیمان کے لئے رخت سفر باندھا گیا۔ راستے میں لاہور، ملتان، ٹھٹھہ، کوٹری، کراچی کی جیلوں میں معمولی قیام کیا۔ کراچی میں مہینہ بھر قیام رہا۔ اور ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو سرزمین انڈیمان پر قدم رکھا۔ اور تابناک زندگی کا ایک نیا باب لکھنا شروع کیا۔

ورود انڈیمان کے وقت یہ نوجوان زندگی کی ۲۷ ویں بہار دیکھ رہا تھا، شاید مجاہدوں کی زندگی میں بہاریں جیل کی سختیاں اور اذیتیں لیکر آتی ہیں۔۔۔ پڑھے لکھے تو تھے ہی، لہذا چیف کمشنر کے دفتر میں میر منشی ہو گیا۔ اب بیڑیاں کٹ گئیں، زنجیریں ٹوٹ گئیں اور ہلکی نوعیت کی حبس دوام کا دور شروع ہوا۔

اہل وعیال کو وطن سے بلانے کی کوشش کی لیکن انگریزی سرکار کو یہ "عیاشی" ناگوار گزری۔ ایک قیدی کو یہ سہولت و راحت کیسے دی جائے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ مل بیٹھے۔ جب انگریزی سرکار نے اجازت نہ دی تو وہیں مولوی یحییٰ علی کی مرید ایک کشمیری خاتون سے نکاح کر لیا۔ ۱۵ اپریل ۱۸۶۸ء کو الموڑہ (ALMORA) کی برہمن زادی سے شادی ہوئی۔

جزائر انڈیمان کی اسارت میں کسی رام سروپ نامی ہندو سے انگریزی زبان سیکھ لی۔ اور انگریز چیف کمشنر کی نگاہوں میں مقام پیدا کر لیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جسے انگریزی اقتدار ایک آنکھ نہیں بھایا۔ اور غالباً پہلا مرد مجاہد تھا جس نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی۔

۱۵ اگست ۱۸۸۲ء کو مولوی عبدالرحیم صادق پوری کی بیوی مسماۃ جمیلہ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے درخواست گزاری جس پر وہابی کیس زیر بحث آیا اور لبرل لارڈ رپن نے وہابی کیس میں ماخوذ جملہ ملزمین کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس کی اطلاع مولوی جعفر کی بیوی کو پانی پت میں ۳۰ دسمبر ۱۸۸۲ء کو ملی۔

۱۲ جنوری ۱۸۸۳ء کو رہائی کا حکم صادر ہوا۔ مگر الہ دے کی بیوی کو عمر قید کی سزا تھی، اور بیوی کی سزا کے صرف ۱۴ سال گزرے تھے۔ بیوی کی رہائی کی درخواست دی اور یکم مئی ۱۸۸۳ء کو بیوی کی رہائی کا حکم ملا۔ آخر اپنی رہائی کے چھ ماہ بعد انڈیمان کو الوداع کہا۔۔۔ اور ۹ دسمبر ۱۸۸۳ء کو سترہ سال دس ماہ کے بعد ۲۷ سال کا نوجوان ۴۴ سال دس ماہ کا ادھیڑ عمر ہو کر انبالہ پہنچا۔

حضرت

مجدد الف ثانیؒ

کی

اصلاحی کوششیں اور انکے اثرات

حضرت مجددؒ نے اس دور میں خطوط وغیرہ کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کی بڑے بڑے امراء وزراء کو طویل خط لکھے، کتابیں لکھیں، باقاعدہ سلسلہ تبلیغ شروع کیا تا آنکہ جہانگیر تخت کا وارث بنا اس سلطنت کو نفس اسلام سے عناد نہ تھا، مگر نشہ شاہی شباب پر تھا اور نئے بادشاہ الشباب شعبۃ من الجنون کے تحت سجدہ تعظیمی کا حکم صادر فرما چکے تھے پھر بزور فتویٰ حاصل کیا گیا، اس پر طرہ یہ کہ ملکہ نورجہاں عنان حکومت کی اصل مالک تھی، جو سنیوں کے معاملے میں انتہائی متعصب تھی، غرض شرک و بت پرستی کا سیلاب ایک طرف، بدعات کا سیلاب اس پر مستزاد شریعت و طریقت کی تفریق اور مصیبت۔ لیکن اپنی کوششوں میں آپ مصروف ہیں۔ مکتوبات کے مطالعہ سے آپ کی مساعی اور اس کے نتائج کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب نمبر ۳۳ دفتر اوّل حصہ اوّل میں علماء سوء کی خوب خبر لی۔ پھر مکتوب نمبر ۴ دفتر اوّل حصہ دوم بنام شیخ فرید مقرب خاص بادشاہ جہانگیر کی حالت کی طرف متوجہ کراتے ہوئے جید علماء کی صحبت پر ضرور دیتے ہیں۔ قدرت خداوندی بادشاہ مان جاتا ہے، اور چار عالم منتخب کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مکتوب نمبر ۵۳ دفتر اوّل حصہ دوم میں اظہار مسرت کے ساتھ پھر توجہ دلاتے ہیں۔ کہ صحیح عالم منتخب کرو اگرچہ ایک ہی ہو۔ غرض اس قسم کی اصلاحی کوششوں سے جاہل صوفیاء، دنیا پرست علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے آمادہ مخالفت کیا۔ عظیم سازش تیار کی جو ان کان مکرھم لتزول منہ الجبال کا مصداق تھی۔ انتہا یہ کہ اس مکروہ پروپیگنڈا سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے حضرات بھی متاثر ہو جاتے ہیں، جنہوں نے بعد میں جلدی ہی حالات سے

آگاہ ہوکر توبہ کی بعد میں شیخؒ اور مجددؒ کے تعلقات بڑے اچھے ہوگئے (دیکھیں مکتوبات) آپ
کے چند خطوط میں قطع و برید کرکے دربار میں پیش کئے گئے اور یہ باور کرایا گیا کہ شیخ احمد اپنے کو
صدیق اکبرؓ سے افضل گردانتا ہے، القصہ طلبی ہوئی، تشریف لے جاکر بادشاہ کو سمجھایا، کلمہ حق
نے کام کیا شاہ مطمئن ہوگیا۔ لیکن دنیا پرست کب باز آنے والے تھے دوسرا اسٹینٹ اختیار
کیا بادشاہ کو باور کرایا گیا کہ یہ شخص سجدہ تعظیمی کا منکر ہے، یقین نہ ہو تو امتحان کرلیں۔ پھر طلبی
ہوئی جہانگیر نے سجدہ کا مطالبہ کیا، لیکن محمد مدنیؐ کا غلام یہ کیسے مان لیتا۔ ؟ جواباً فرمایا "بجز خلاق جہاں
کسی کے لئے سجدہ روا نہیں، او جہانگیر کتنی حماقت و بطالت ہے کہ اپنے جیسے عاجز کے
سامنے جھکوں" یہ سننا تھا کہ شاہ کا غصہ ابل پڑا، حضورؐ کے متعلق جو جسارت خسرو پرویز نے
کی تھی وہی جسارت ہٹا ہوا جہانگیر غلام محمدؐ کیلئے کررہا ہے۔ یعنی "سزائے موت" لیکن اچانک
اسے منسوخ کرکے سنت یوسفی و محمدی علیہما السلام پر عمل کے لئے گوالیار کے قلعہ میں بھجوا
دیا۔ گدڑی پوش نے قلعہ کو زینت بخشی، رنگ بدل گئے۔ ؟ دو سال گذرے آپ کی کرامت
کا ظہور ہوا، جہانگیر کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھا خواب میں سید الابرار کو دیکھا۔ آپ بطور تاسف
انگلی دانتوں میں دبائے ارشاد فرمارہے ہیں۔ جہانگیر تو نے کتنے بڑے آدمی کو قید کردیا ـــــ
بعد از خواب حکم رہائی دیکر التجی ہوا کہ چند دن ہمنشینی چاہتا ہوں آپ نے منظور کیا یہ صحبت چند
روزہ رنگ لائی، جام و سبو توڑ ڈالے۔ نشہ حکومت اتر گیا ہر وقت رونے سے واسطہ ہے
پھر ایک دفعہ یہ فقیر کے لنگر کا کھانا کھاکر لطف اندوز ہوا اور اسے زندگی کا بہترین کھانا قرار دیا۔
وارفتگی بڑھی، آخر عمر میں کہا کہ عمر بھر کوئی کام نہیں کیا، ایک دستاویز ہے اسے داور محشر
کی عدالت میں پیش کردوں گا۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ شیخ نے فرمایا تھا کہ خدا ہمیں جنت لے گیا تو
تجھے ساتھ لئے بغیر نہ جائیں گے۔ اسی پہ بس نہیں شاہجہاں آپ کا مرید ہوا، پھر غازی عالمگیر
آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کا مرید ہوا کون عالمگیر۔ ؟ قرآن کا کاتب اور ٹوپیاں بنا
کر انہیں فروخت کرکے نان جویں پہ قناعت کرنیوالا فتاوی عالمگیری لکھواکر از برما تا تاشقند
نظام اسلامی کو نافذ کرنے والا! یہ برکات تھیں امام ربانی کی اور آپ کے مجدد ہونے کی۔

آپ کی زندگی میں ایک وقت وہ بھی آیا جب جرنیل مہابت خان نے جہانگیر اور نورجہاں
کو قید کرکے آپ کو لکھا۔ بیا تخت شاہی خالی است۔ تو جواباً لکھا: فقیر را با تخت شاہی
چہ کار۔ ؟

باطنی کمالات | اس سلسلہ میں اس سے پہلے آپ کے پیر و مرشد کے جو ارشادات گزر چکے ہیں وہ کافی و شافی ہیں۔ تاہم ایک دو اور شہادتیں ملاحظہ فرما دیں۔ تیرھویں صدی کے مجدد اور عظیم عالم و صوفی شاہ غلام علی دہلویؒ اپنے مکتوبات کے صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ مدراس میں فرماتے ہیں:

"حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بعد تحریر مناقب حضرت ایشان نوشتہ اند

لا یحبہ الا مومن تقی ولا یبغضہ الا منافق شقی۔"

کتنا بڑا مقام ہے۔ شاہ غلام علی صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسے مجددین امت کی اس شہادت کے بعد کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں تاہم شہید اعظم مرزا مظہر جانجاں کی شہادت نہ لکھنا بڑی ناانصافی ہوگی۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت سرور کائناتؐ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوا گویا آپ کی بغل میں لیٹا ہوں اور آپ کی مبارک سانس مجھے لگی معاً پیاس محسوس ہوئی۔۔۔ سرہندی شہزادے بھی تھے ان سے بنی رحمتؐ نے پانی لانے کو فرمایا۔ میں نے عرض کی یہ میرے مخدوم زادے ہیں۔ فرمایا اب میرا حکم ہے۔ غرض پانی آیا وہ پیا تو حضرت مجدد کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا میری امت میں ان جیسا ہے کون؟ میں نے مکتوبات کے متعلق عرض کیا تو پڑھ کر سنانے کو فرمایا میں نے حضرت حق کی حمد و ثناء کے متعلق انہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء پڑھ کر سنائے آپ نے بہت پسند فرمائے دیر تک بار بار سنے اور تحسین فرمائی۔ ان شہادتوں کو پڑھ کر ذرا مولوی محسن الملک مرحوم کو سنیں فرماتے ہیں: "اگر حضرت عمر فاروق کی ذات بابرکات نہ ہوتی تو ہندوستان میں اتنے مسلمان نہ ہوتے (آیات بنیات)۔ کتنا سچ فرمایا۔ ذرا آگے بڑھیں خانوادہ فاروقی کے رجال اعاظم حضرت مجدد فاروقی سرہندی حکیم الہند شاہ ولی اللہ فاروقی اور ان کا خاندان امیر المجاہدین حاجی امداد اللہ فاروقی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فاروقی امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقی نے کس طرح اپنے جد بزرگوار کے اسوہ حسنہ پر عمل کر کے مسلمانان ہند کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائی اور یہ بھی فیض مجددؒ ہی ہے۔ کہ سرزمین ہند کو جس مجدد نے سب سے پہلے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا وہ آپ ہی ہیں۔ ورنہ پہلے یہ زمین اس شرف سے محروم تھی۔ اور پھر تو سلسلہ چل نکلا، آپ کے بعد شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، شاہ غلام علیؒ اور مولانا تھانوی وغیرہ اکابرؒ بلاشبہ مجددین امت ہیں۔۔۔

اتباع سنت و اجتناب عن البدعت | مجدد کی زندگی کا صحیح پتہ اسی موڑ پہ آکر ملتا ہے۔

سطور بالا میں آپ نے اس سلسلہ کے دھندلے سے نقوش دیکھے۔ انصاف آپ کے ذمہ۔؟ اب مکتوبات کو ملاحظہ فرمادیں، مکتوب ۱۰۵ دفتر سوم بنام شیخ حسن برکی میں حدیث نبویؐ: من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأتہ شہید۔ نقل کرکے اتباع سنت پر جو زور دیا ہے، وہ قابلِ دید ہے۔ مکتوب ۲۳ دفتر دوم بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ، تقسیم بدعت یعنی حسنہ و سیئہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔ پچھلے لوگوں نے شاید بدعت میں کوئی اچھائی دیکھی ہوگی کہ اس کے بعض افراد کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن فقیر اس مسئلہ میں ان کی موافقت نہیں کرسکتا، اور بدعت کی کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا۔ اور بدعت میں بجز گندگی و تاریکی کچھ محسوس نہیں کرتا ــــ بدعت کو یہ فقیر کدال کی طرح جانتا ہے، جو اسلام کی عالیشان عمارت کو ڈھارہی ہے۔ آگے بڑھیں، مکتوب ۵۴ دفتر اول بنام شیخ فرید۔ یقین تصور فرمائید کہ فساد صحبت مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است، اللہ اللہ حرکت رگ فاروقی ملاحظہ فرمادیں۔ اور بدعت سے تنفر اور سنت میں انہماک کے جذبہ صادقہ کو دیکھیں کیوں نہ ہو، ارشادِ نبوی یوں ہی ہیں۔ من شأ فلیراجعہٗ۔ اس سے آگے اس عنوان پر کسی چیز کی ضرورت نہیں، اب مقام مجددیت کا نمبر ہے، لیکن قاری محمد طیب صاحب کے ارشاداتِ عالیہ اور رشحات فکر نقل کرنے کے بعد اس عنوان پر کیا لکھوں۔؟ سورج کو چراغ دکھانا عقل مندی نہیں، اور اپنے اکابر سے جو تعلق ہے اس کے پیش نظر یہ گستاخی نہیں کرسکتا۔ بس آپ کی شانِ عزیمت و مجددیت پر ایک فرزند دیوبند کا ارشاد سن لیں اور اس پر یہ عنوان مکمل ہوجاتا ہے ؎

ابن حنبلؒ نے کیا تھا کام جو اس نے وہ کرکے ہمیں دکھلادیا

باقیات صالحات | اختتام سے قبل اس عنوان سے چند سطور ضروری ہیں، اس سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ فرزندانِ گرامی قدر و خلفاء اور آپ کی تصنیفات! ان پر تفصیلی گفتگو فی الحال مشکل ہے۔ مختصراً یہ کہ تصنیفات میں مکتوباتؒ سر فہرست ہیں۔ ان کے بیسوں حوالے اوپر گذرے لیکن نسبت سمندر اور قطرہ کی ہے، فی الحقیقت امام کے مکتوبات سینکڑوں تصنیفات کا حکم رکھتے ہیں۔ اور انسانی زندگی کیلئے کافی شافی ذخیرہ ہیں۔ زندگی کے ہر مسئلہ کا حل ان میں ہے، جو چاہے تجربہ کرکے دیکھ لے۔ علاوہ ازیں معارف لدنیہ[۲]، رد روافض[۳]۔ اثبات النبوۃ[۴]۔ شرح رباعیات[۵]، تعلیقات عوارف[۶]، رسالہ علم حدیث[۷]، حالات خواجگان نقشبند[۸]، مبدء و معاد[۹]، تعین ولاتعین[۱۰]، رسالہ تہلیلیہ[۱۱]، مکاشفات غیبیہ[۱۲]، آداب المریدین[۱۳]، مسئلہ وحدت الوجود[۱۴]، تحقیق قیومیت[۱۵]، مقصود الصالحین[۱۶]

مشہور ہیں۔ فرزندانِ گرامی قدر خواجہ محمد صادق (ولادت ۱۰۰۰ھ وفات ۹ اربیع الاول ۱۰۲۵ھ) سب سے بڑے ہیں۔ عالم جوانی میں ابا میاں کے سامنے راہی ملک بقا ہوئے آپ کو بڑا صدمہ تھا۔ کمالات صادق کا ذکر مکتوبات میں ہے۔ پھر خواجہ محمد سعید (ولادت ۱۰۰۵ھ وفات ۲۷ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ) معروف بخازن الرحمۃ ہیں۔ پھر خواجہ محمد معصوم معروف بہ عروۃ الوثقیٰ ــــ سلسلہ کی اشاعت سب سے زیادہ ان سے ہوئی، عالمگیر کے شیخ تھے۔ دہلی کی مشہور عالم خانقاہ اور اب پاکستان میں خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی آپ ہی کے سلسلہ سے منسلک ہیں (ولادت ۱۰۰۷ھ وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ) چوتھے صاحبزادے شاہ محمد یحییٰ تھے، ابا میاں کی وفات کے وقت نو برس کے تھے، تحصیل علوم وطریقت بھائیوں سے کی۔ (وفات ۱۰۹۶ھ)

رہ گئے خلفاء تو ان کا کیا حساب، ہندوستان کا کوئی شہر آپ کے خلفاء سے خالی نہیں۔ بچاس خلفاء تو صرف انبالہ میں تھے۔ پھر دیار عرب غزنی کابل بخارا سمرقند وغیرہ میں خدام شیخ کی اتنی کثرت ہے کہ لاتعد ولاتحصی۔ اور سب نے علوم امام سے اس جہان ظلمت و تاریکی کو منور کیا۔ جزاہم اللہ۔ مولانا نسیم احمد مجددی فاروقی امروہی نے آپ کے خلفاء کے حالات کے سلسلہ میں تحقیقی کام کیا ہے۔ شائق حضرات ان سے رابطہ قائم کریں۔ پھر آپ کے علوم و معارف کی ایک زندہ جاوید یادگار دنیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ روایات مشہورہ و متواترہ کے پیش نظر آپ نے اس مقام سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہاں سے بوئے علم آرہی ہے چنانچہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس دور تجدد میں بھی حضرت مجدد کے علوم و معارف کو دارالعلوم دیوبند کسطرح ایک مقدس امانت سمجھ کر سنبھالے ہوئے ہے۔ اور بانیان دیوبند کے روحانی اور علمی رشتے جسطرح اس قدسی وقت بزرگ سے ملتے ہیں اس سے ارباب نظر آگاہ ہیں۔ تو گویا وجود دارالعلوم دیوبند بھی آپ کے باقیات صالحات میں سے ہے اور اسے شمار نہ کرنا ایک عظیم ناانصافی ہوگی۔ ایسی روایات حضرت سید احمد شہیدؒ کے متعلق بھی مشہور ہیں کہ انہوں نے جہاد کی مہم پر تشریف لے جاتے ہوئے یہاں وہی الفاظ فرمائے تھے اور ان روحانی رشتوں سے بھی دنیا آگاہ ہے۔

خاتمہ سخن | بالآخر وہ مجدد الف ثانیؒ قطب زمان اور صاحب عزم واستقامت انسان جسکی حق وراستی کی آواز کے سامنے باطل کو سرنگوں ہونا پڑا۔ اور جس کے اثر عالمگیری سے شاہان مغلیہ کا رخ بدل گیا، موت کے بے رحم ہاتھوں کے سامنے بے بس ہوگیا۔ــــ سچ ہے کل شیئ ھالک الا وجھہ ؎

موت سے آخر کوئی بچتا ہی ہو صاحب کمال　　حی وقیوم اک فقط ہے ذات رب ذوالجلال

لیکن اسے اسکا صدمہ نہ تھا اور کیوں ہوتا محبوب رب العالمینؐ کو جب وصال و حیات میں انتخاب کا حکم ہوا تو آپ نے "رفیق اعلیٰ" سے وصال کو ترجیح دی اور فرمایا الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ تو آپ کا ایک سچا خادم کیوں پریشان ہوتا اسے تو خوشی تھی عمر کے آخری شعبان میں شب برأت کو عبادت کیلئے خلوت خانہ تشریف لے گئے علی الصباح بیوی نے کہا کہ نہ معلوم آج کی رات کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا۔ فرمایا: تم بطور شک کہہ رہی ہو، اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے اپنا نام محو ہوتا خود دیکھا۔ اس کے بعد ارشاد و ہدایت کا سارا کام سپرد صاحبزادگان کرکے خلوت کو زیادہ پسند فرمانے لگے ۔

وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش عشق تیز تر گردد

وسط ذوالحجہ میں ضیق النفس کی بیماری کا شکار ہوئے اور تپ محرقہ اس پر مستزاد حتیٰ کہ ۱۲ محرم الحرام کو فرمایا کہ بس ۴۰، ۵۰ دن کے اندر یہاں سے سفر کرتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ سہ شنبہ بعمر ۶۳ سال اس دار فانی سے راہی ملک بقا ہوئے ۔ انا للہ ۔ اللہ اللہ متابعت نبوی اور محبت صدیق و فاروق کا کیا صلہ ملا ۔ گنبد خضرا کے وہ تینوں مکین اسی عمر میں دار آخرت کو سدھارے تھے ۔ "رفیع المراتب" مادہ تاریخ ہے ۔ جس صبح انتقال ہوا اس دن حسب معمول اٹھ کر تہجد پڑھی ۔ فارغ ہوکر خدام سے فرمایا کہ تم نے تیمارداری کی بڑی تکلیف کی ۔ آج یہ تکلیف ختم ہے ۔ آخرت وقت میں اسم ذات کا بہت غلبہ تھا ۔ اسی حال میں اللہ کو پیارے ہوئے ۔ فرزند ثانی خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ پڑھی اور برادر اکبر خواجہ محمد صادق شیخ کے فرزند رشید کے پہلو میں دفنا دئے گئے ۔ دفن اس مقام پر ہوئے جسکے متعلق مکتوبات میں ہے کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں ۔ مزار مرجع خلائق ہے اور دور ظلمت و بدعت میں ہر قسم کی آلائشوں سے پاک اور یہ ایک واضح کرامت ہے ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے ۔

حضرت مجنون کلکتوی نے آستان شیخ پر بڑی دردناک نظم لکھی حرف آخر اسے بناتا ہوں ۔

الا اے دولت طالع تو یابی صد وقار این جا ! زر این جا، گنج این جا، شوکت این جا، افتخار این جا

بہ روضہ چوں رقم زد شرح صدر دانستم دل این جا، مدعا این جا، امید این جا، قرار این جا

خیال ساقی زمزم عجب پر کیف اثر دارد خم این جا، ساغر این جا، بادہ این جا، بادہ خوار این جا

زداغ عشق شاہم سینہ گلزار جہاں دارم گل این جا، نرگس این جا، سنبل این جا، لالہ زار این جا

سرایم ہمچوں مجنوں در جوار روضہ اقدس را من این جا، زندگی این جا، اجل این جا، مزار این جا

ان نقوش کو پڑھ کر ایک بار پھر مولانا ابوالکلام آزاد کا ابتدائی جملہ پڑھیں اور سوچیں کہ شہنشاہ اقلیم خطابت و بلاغت نے عشاق کے متعلق کتنا بلیغ جملہ فرمایا ۔ اللہ میاں ہمیں شیخ کے نقش قدم پر چلائے ۔ الحاد و بدعات کی آندھیوں سے بچائے اور کوئی وارث مجدد پیدا کرکے نئے دینی فتنوں کا سدباب کرے ۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے
جہاں اسے مل جائے مومن اسکا حقدار ہے
(الحدیث)

انتخاب - ادارۃ الحق

کلمۃ الحکمت

● **ایک حقیقت پسندانہ معیار** | اکابر دیوبند کے کمالات جانچنے کا ایک حقیقت پسندانہ معیار حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے :- "لوگ کہتے ہیں کہ رازیؒ اور غزالیؒ پیدا ہونا بند ہو گئے مگر بالکل غلط ہے۔ ہمارے حضرات (اکابرؒ دیوبند) رازیؒ اور غزالیؒ سے کم نہ تھے۔ علوم میں بھی کمال میں بھی بات یہ ہے کہ حیات میں قدر نہیں ہوتی، مر جانے کے بعد رحمۃ اللہ علیہ اور پچاس برس گذرنے کے بعد قدس سرہٗ ہو جاتے ہیں۔ اور تماثل کے معلوم ہونے کا بڑا اچھا معیار ہے۔ ان کی تحقیقات کو بھی دیکھ لیا جائے اور ان حضرات کی تصنیفات بھی اس سے معلوم ہو جائے گا۔۔۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۹۹ ج ۲) ان حضرات کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرا دیا جائے اور بتلایا نہ جائے تو دیکھنے والے رازیؒ اور غزالیؒ کے زمانہ کی بتلاویں گے۔ (حسن العزیز ص ۳۸۴ ج ۲) [معارف نومبر ۱۹۶۷ء]

● **جامعیت** | حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی ذات ستودہ صفات انیسویں صدی کے نصف آخر میں بے شبہ آیتٌ من ایات اللہ تھی۔ آپکے علمی، عملی، اخلاقی اور روحانی کارنامے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ قدرت نے رازیؒ کا فلسفہ، شعرانیؒ کا علم الکلام، غزالیؒ کا سوز و گداز، ابن تیمیہ کا صولت بیان، ولی اللہ کی حکمت و دانش، احمد سرہندی کی غیرت و حمیت اسلامی اور ٹیپو کی شجاعت یہ سب چیزیں کس فیاضی سے ایک شخص میں جمع کر دی تھیں۔ [سعید احمد اکبر آبادی۔ برہان دہلی نومبر ۱۳۸۷ھ]

● **وقت کی قدر** | ارمئی کو میں سوتے سے اٹھا تو ایک ہمسفر نے کہا کہ جہاز کا انجن ٹوٹ گیا۔ میں نے دیکھا تو واقعی کپتان اور جہاز کے ملازم گھبرائے پھرتے تھے اور اسکی درستی کی تدبیریں کر رہے تھے۔ انجن بالکل بیکار ہو گیا تھا اور جہاز آہستہ آہستہ ہوا کے سہارے چل رہا تھا۔ میں سخت گھبرایا اور نہایت ناگوار خیالات دل میں آنے لگے۔ اس اضطراب میں اور کیا کر سکتا تھا، دوڑتا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس گیا وہ اس وقت نہایت اطمینان کیساتھ کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپکو کچھ خبر بھی ہے ؟ بولے ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے میں نے کہا کہ آپکو کچھ اضطراب نہیں ؟ بھلا یہ کتاب دیکھنے کا کیا موقع ہے ؟ فرمایا کہ اگر جہاز کو برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور قدر کے قابل ہے۔ اور ایسے قابل قدر وقت کو رائیگاں کرنا بالکل بے عقلی ہے ان کے استقلال اور جرأت سے مجھ کو اطمینان ہوا، آٹھ گھنٹے بعد انجن درست ہوا۔ اور بدستور چلنے لگا۔ [سفر نامہ مصر و شام۔ از مولانا شبلی]

ہم سے

ابوالبشیر حکیم غلام احمد سلیم قریشی پنڈدادنخانوی حال بنگلہ جھوریر

لرزتا تھا کبھی اوج شکوہ آسماں ہم سے
مجلّی تھی کبھی ارض بسیط کہکشاں ہم سے
عناصر پر تسلط تھا فضائیں تھرتھراتی تھیں
قرابت چاہتی تھی سرزمین آسماں ہم سے
مسلماں کا تصور رحمت عالم تھا دنیا میں
زمانہ بھر کے وابستہ تھے سب سود و زیاں ہم سے
ہمارا ہر عمل ضرب المثل تاریخ عالم میں
ہوئے ہیں بہرہ ور سارے جہاں کے نکتہ داں ہم سے
تعجب کر رہے ہیں آج ہم مغرب کی سائنس پر
مگر یورپ نے سیکھے ہیں یہ اسرار نہاں ہم سے
متاع علم و فن، اخلاق ضرب و حرب شہبازی
خدا کی دین تھی جو لے گیا سارا جہاں ہم سے
لٹایا ہم نے سب کچھ اسطرح خود ہو گئے خالی
رہا ڈھانچہ فقط چھینے گئے روح و رواں ہم سے
ملا تھا ہم کو جتنا اسکا کچھ حصہ بھی گر ہوتا
نہ یوں دوچار ہوتیں آئے دن بربادیاں ہم سے
ہوئے آزاد صرف اتنے کہ ہاتھوں سے کڑی نکلی
مگر پابند ہیں جب تک نہ چھوٹیں بیڑیاں ہم سے
میں حیراں ہو رہا ہوں اب کے مسلم کی سیاست پر
مربی ہیں وہی کرتے ہیں جو عیاریاں ہم سے
جو ٹوٹے ٹانگ مرغی کی تو یورپ اسکو لے جاؤ
کہ ایسا مرحلہ ہرگز نہ طے ہوگا یہاں ہم سے

اے مہبط کلام خدا سرّ کائنات

مولانا لطافت الرحمان سواتی سابق استاذ دارالعلوم حقانیہ
جامع اسلامیہ بہاولپور

اے سیدے رؤف و رحیم و کریم ذات
اے مہبط کلام خدا سرّ کائنات
اے منبع جمال و کمال و حیاء و جود
سرچشمہ امانت و پاکیزہ ہا صفات
پیغمبر جلیل و حبیب خدائے ما
تابندہ آفتاب ہدایت بہ کل جہات
زیر زمین ز عرش بریں تا بہ فرش خاک
ہر ذرہ از وجود شما یافتہ حیات
اے آنکہ بر تو قصر نبوت تمام گشت
قصرے کہ دھیتے است ز موزائے ذوالصفات
بشکست آنکہ بود ز عزّیٰ و یعوق و نسر
در خانۂ خدا و یغوث و وُدّ و منات
سیلے کہ پیش او جبل کفر چوں ہباء
ناکام و بے حقیقت و بیہودہ بے ثبات
روح الامین بہ باب جنابش چو خادماں
مے رفت و آمد و بہ ہزاراں تلطّفات
تو بہر بندگان خدا رحم آمدے
مائے فرستمت بہ تو بے حدّ و عد صلوٰۃ
اے افضل الرسل بہ تو باد از ما سلام
ما امّت تو ایم گرفتار سیّئات
شرمندہ ایم بیش عنایات و فضل تو
کردار با خطا و سیہ کار و بدسمات
با بندۂ فقیر لطافت علی الخصوص
بے مایہ ام ز زُد عمل ملک یا سوات

احوال و کوائف

دارالعلوم حقانیہ

ناظم دفتر اہتمام دارالعلوم

مجلس شوریٰ کا جلسہ دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس ۲۹ ستمبر بروز اتوار حضرت محترم پیر صاحب سجادہ نشین مانکی شریف کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اراکین شوریٰ نے بھاری تعداد میں شمولیت کی تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا افتتاح ہونے کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ مہتمم دارالعلوم نے سال رواں کے بجٹ کی تشریح پر ایک طویل رپورٹ پیش کی جس میں آپ نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی کارگذاری پر روشنی ڈالی۔ بجٹ پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دارالعلوم کو مختلف مدات سے سال گذشتہ ۱۳۸۷ھ میں ایک لاکھ تریسٹھ ہزار ایک سو باسٹھ روپے دو پیسے کی آمدنی ہوئی اور دارالعلوم کے تنظیمی، تعلیمی، تبلیغی اور اشاعتی شعبوں پر ایک لاکھ انچاس ہزار پانچسو پینتالیس روپے اکیس پیسے خرچ ہوئے۔ آمدن اور منظور شدہ مصارف کی کمی و بیشی پر تفصیلی بحث کے بعد آپ نے سال رواں ۱۳۸۸ھ کیلئے ایک لاکھ تریاسی ہزار پانچسو پانچ روپے پر مشتمل میزانیہ پیش فرمایا، جسے اراکین نے آزادانہ اظہار خیال کے بعد متفقہ طور پر منظور فرمایا۔ اس بجٹ میں اگرچہ ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ کو موجودہ سرمایہ کی رو سے بہتر ہزار پانچسو تریتالیس روپے چوبیس پیسے کا خسارہ ہے۔ مگر شوریٰ نے خداوند کریم کے فضل و کرم سے متوقع آمدنی کی بناء پر اسکی منظوری دی۔ رپورٹ میں حضرت شیخ الحدیث نے موجودہ نازک حالات میں علوم دینیہ کی ضرورت اور روشنی ڈالنے کے بعد دارالعلوم کے مختلف شعبوں کی رفتار ترقی پر روشنی ڈالی۔ اور دارالعلوم کی آئندہ تعمیری اور تعلیمی ضروریات اور منصوبوں کے لئے قوم کے مخیر حضرات کو تعاون فرمانے کیطرف توجہ دلائی گئی۔ اجلاس میں ان معاونین حضرات اور اراکین دارالعلوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی جو عرصہ زیر رپورٹ میں انتقال فرما چکے ہیں۔ اجلاس میں حسب ذیل اعزازی اور مستقل اراکین نے شمولیت کی :-

حضرت پیرزادہ روح الامین صاحب پیر صاحب مانکی شریف۔ مولانا مسرت شاہ کاکاخیل، مولانا محمد ایوب جان بنوری۔ مولانا قاری محمد امین صاحب راولپنڈی۔ الحاج شیر افضل خان صاحب بدرشی۔ الحاج محمد اعظم خان صاحب اکوڑہ۔ جناب خان محمد اسلم خان صاحب۔ جناب عبدالخالق صاحب خلیق۔ جناب قاری سعید الرحمان صاحب۔ جناب قاضی عبدالسلام صاحب۔ مولانا مجاہد خان الحسینی۔ مولانا عبدالحنان صاحب جہانگیرہ۔ مولانا عبدالحنان۔ مولانا عبدالرشید یار حسین۔ حافظ حبیب الرحمان صاحب رسالپور۔ ڈاکٹر صاحب شاہ صاحب تورڈھیر۔

حکیم رفیع الدین صاحب۔ جناب یعقوب شاہ بادشاہ۔ حکیم خاؤ استاذ صاحب مردان۔ میاں میر احمد گل صاحب۔ جناب شیر افضل خاں صاحب لاہور۔ جناب میاں مراد گل صاحب کاکا خیل۔ جناب حضرت جمال صاحب لاہور۔ جناب وارث خاں صاحب پشاور۔ جناب محمد صابر صاحب۔ جناب صاحبزادہ میاں اکرم شاہ صاحب۔ حاجی محمد یوسف صاحب۔ جناب سید نور بادشاہ صاحب۔ جناب الحاج غلام محمد صاحب۔ جناب الحاج رحمان الدین صاحب ــــــ وغیرہ۔

پیر صاحب مانکی شریف کے تاثرات حضرت پیر صاحب مانکی شریف پہلی بار دار العلوم تشریف لائے۔ اور مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شمولیت فرما کر دار العلوم کی تفصیلی کارگذاری سنی۔ مختلف شعبوں کا معائنہ فرمایا اور نہایت متاثر ہوئے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں اپنے پاکیزہ تاثرات کا اظہار فرمایا بلکہ اجلاس سے واپسی پر آپ نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کے نام ایک مکتوب کے ذریعہ اپنے احساسات اور جذبات تعاون پورے حلقۂ معاونین دار العلوم اور اراکین کی خدمت میں پیش فرمائے۔ نیز اپنے گرامی نامہ کے ساتھ ایک ہزار روپیہ کے قابل قدر عطیہ سے بھی دار العلوم کی سرپرستی فرمائی۔ ہم یہاں وہ مکتوب پیش کر کے حضرت پیر صاحب موصوف کے مخلصانہ اور دلی احساسات میں معاونین دار العلوم کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔ اور پورے حلقہ دار العلوم کی طرف سے حضرت پیر صاحب موصوف کے شکر گذار ہیں۔

محترمی شیخ الحدیث صاحب دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

السلام علیکم :- دار العلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ میں پہلی بار شریک ہونے کا آپ نے مجھے موقع عنایت کیا۔ جس کیلئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ یقین جانیئے میں نہ صرف مجلس شوریٰ کے مقتدر اراکین کی علمی شخصیت اور دین سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر متاثر ہوا ہوں۔ بلکہ آپ کی کاوشوں کو دیکھ کر یہ اقرار بھی کرنا پڑا ہے۔ کہ اولوالعزم انسان اس زمانے میں بھی معجزے برپا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ آپ نے اپنے عزم کی ابتدا مسجد کے ایک کونے سے کی تھی۔ جبکہ بے سروسامانی۔ بے بسی۔ بے چارگی اور تہی دامنی آپ کا اثاثہ تھی۔ لیکن علم دین کی تشہیر کا بے پناہ جذبہ آپ کے رگ وپے میں موجزن تھا جس کی بدولت آپ نے علم دین کے مینار کو اس قدر بلند کر دیا۔ کہ آسمان سے باتیں ہونے لگیں۔

قابل قدر عالم دین ! آپ نے ایسے زمانے میں دین کی شمع کو روشن رکھنے کیلئے بے مثال کام کیا، جبکہ کفر و الحاد کے فتنوں کو کچلنے والے ناپید اگر نہیں۔ تو بس پردے ضرور ہو چکے

ہیں۔ شاید اسی لئے قدرت نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ دین محمدی کا میں خود محافظ ہوں۔
کہ اس کی وسیع و عریض دنیا میں عبدالحق جیسے مجاہدوں کی کمی نہ تھی۔

جناب والا! آپ کا یہ عظیم کارنامہ تا زلیست یاد رہے گا۔ کہ آپ نے علم دین کے پیاسے طالب علم کو مسجد کے بوسیدہ کونے سے اٹھا کر حقانیہ کی عظیم عمارت میں جگہ دی۔ تاکہ دین کا طالب علم اس نمائشی دنیا میں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائے۔
آپ نے دارالعلوم حقانیہ کو وہ عظیم عمارت بخشی۔ جس کی شکل وصورت دنیا کی حسین یونیورسٹیوں سے کسی طرح کم نہیں۔

مجھے یہ دیکھ کر بے پناہ خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے ظاہری زیب و زینت کو برقرار رکھتے ہوئے علم کے معیار کو جو ترقی دی ہے۔ اس کی مثال موجودہ نظام تعلیم باوجود بہتر وسائل کے پیش نہیں کرسکتا۔ اس پر طرہ یہ کہ آپکے حسن انتظام اور ضبط و نظم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔

جناب مولانا صاحب! آج کی دنیا میں جبکہ اکثر و بیشتر اصحاب قومی اداروں کی کارکردگی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ آپ کی جدوجہد قابل تعریف ہے یقیناً آپ کے بجٹ کو دیکھتے ہوئے ایک گونہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے ادارے کا بجٹ پیش کرتے ہوئے ایسا کوئی گوشہ مخفی یا تشنہ نہیں رہنے دیا۔ جس سے شکوک و شبہات پیدا ہو سکیں۔
میں سمجھتا ہوں۔ کہ ایسی بے داغ کارکردگی پر آپ کو داد نہ دینا سخت بے انصافی ہوگی۔

جناب مہتمم صاحب! آپ کے ادارے کی عظمت اور اپنی بے بضاعتی کا مجھے احساس ہے۔ کاش کہ میں ادارہ کی امداد کیلئے اپنی خواہش کے تحت قدم اٹھا سکتا۔ لیکن تنگ دامانی کے باعث سبز برگ اس جذبہ کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ کہ اپنی تمام تر خدمات آپ کے ادارے کیلئے وقف رکھوں گا۔

میری کوشش ہوگی۔ کہ پاکستان کے مخیر حضرات کی توجہ آپکے عظیم ادارے کی جانب مبذول کراؤں۔ نیز حکومتی سطح پر اگر ادارے کو کسی بھی امداد کی ضرورت پڑے تو آپ مجھے مستعد پائینگے۔ میں اس خط کے ہمراہ مبلغ ایک ہزار روپے کا چیک ارسال کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

والسلام۔ دعاگو روح الدین

حکیم الاسلام قاری محمد طیب مدظلہ کی تشریف آوری | یوں تو پاکستان میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تشریف آوری ہی سے دارالعلوم حقانیہ میں حضرت کی آمد آمد کا غلغلہ تھا۔ پورا حلقۂ دارالعلوم سراپا شوق اور مشتاق دید بنا ہوا تھا۔ ادھر خود بھی حضرت قاری صاحب مدظلہ اپنے ہر گرامی نامہ میں تشریف لانے کا عزم مصمم اور اشتیاق ظاہر فرما رہے تھے مگر حضرت کے پروگرام اور قیام کے غیر یقینی ہونے اور پھر ویزا وغیرہ کی پابندیوں کی وجہ سے یہاں کا یہ شوق اور مسرت کبھی کبھی پریشانی اور مایوسی میں تبدیل ہو جاتا کہ اتنے میں یکایک خداوند کریم نے حضرت کی یہاں آمد کی راہیں کھول دیں اور مرکزی وزارت داخلہ سے حضرت کو دارالعلوم حقانیہ آنے کا ویزا مل گیا۔ دارالعلوم پہنچنے سے صرف چند گھنٹہ قبل آمد کی اطلاع پہنچی اس لئے بروقت لوگوں کو اطلاع ممکن نہ ہو سکی۔ لاہور اور ہری پور سے ہوتے ہوئے حضرت حکیم الاسلام مدظلہ ۱۳ر اکتوبر کی شام کو دارالعلوم حقانیہ پہنچے مولانا سمیع الحق مدرس دارالعلوم حضرت کو یہاں لانے کے لئے ساتھ تھے شام کا اندھیرا چھا جانے کے باوجود دارالعلوم سے باہر علماء اساتذہ، طلباء، اور دیندار مسلمانوں کا جم غفیر استقبال کیلئے چشم براہ تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی سرکردگی میں حضرت مدظلہ کا نہایت والہانہ استقبال ہوا دارالعلوم کے در و دیوار حضرت نانوتویؒ، اکابر دیوبند اور حضرت حکیم الاسلام زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھے ۱۳ر اکتوبر سے ۱۴ر اکتوبر کو روانگی تک حضرت قاری صاحب مدظلہ کا دارالعلوم ہی میں قیام رہا، علماء، صالحین اور عامۃ المسلمین کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ بعض اجلہ اکابر (جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم کے تلمیذ خاص اور اسیر مالٹا مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ بھی شامل ہیں۔) بھی جنہیں اطلاع پہنچ سکی حضرت قاری صاحب مدظلہ کی ملاقات کیلئے دارالعلوم پہنچے اور علم و معرفت کی مجالس کے لطف کو دوبالا کیا۔ اس دوران حضرت کی مجالس اکابر کے تذکروں اور علم و معرفت کے مضامین بیان کرنے سے سراپا نور بنی ہوئی تھیں۔ ۱۴ر اکتوبر کو حضرت نے دارالعلوم کے تمام شعبوں، عمارتوں، مطبخ، کتب خانہ دارالاقامہ وغیرہ کا معائنہ فرمایا، اور تھوڑی دیر کیلئے دفتر الحق کو بھی اپنے قدوم اور اشاعت دین میں الحق کی کامیابی کی دعاؤں سے نوازا۔ نیز دارالعلوم کے شعبۂ اطفال مدرسہ تعلیم القرآن مڈل اسکول کی کلاسوں اور بچوں کی تعلیمی صلاحیتوں کا بھی معائنہ کیا اور کچھ دیر تک بچوں کو علم و حکمت سے لبریز نصائح فرمائے۔ چونکہ حضرت مدظلہ کی تقریر اور خطابت پر پابندی تھی۔ اس لئے طلباء کی خواہش اور اصرار پر بعد از نماز ظہر حضرت مدظلہ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینا منظور فرمایا، نہ صرف ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا بلکہ باہر کے برآمدے بھی اہل علم اور سامعین سے بھر پور

تھے حضرت مدظلہٗ نے نماز عصر تک بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پر حکیمانہ درس دیا۔ بعد از نماز عشاء حضرت مدظلہٗ نے از راہ عنایت الحق کے ایک ادارتی بورڈ کو حضرت نانوتویؒ کی زندگی کے زریں اصول، دارالعلوم دیوبند کے مستقبل اور خود اپنی سوانح نیز مسلمانوں کے زوال کے اسباب اور علماء و ارباب مدارس کو اپنے زریں نصائح پر ایک بلند پایہ انٹرویو ریکارڈ کرایا جسے اس وقت مشین کے ذریعہ محفوظ کر لیا گیا۔ اور جسے الحق میں جلد از جلد پیش کیا جائے گا، انشاء اللہ۔

۱۴ اکتوبر کو حضرت مدظلہٗ واپس چلے گئے۔ علماء و اساتذہ نے دھڑکتے دلوں کے ساتھ حضرت کو الوداع کہا۔ دارالعلوم میں قیام کے دوران حضرت مدظلہٗ کی بشاشت اور انبساط کی عجیب کیفیت تھی۔ اور برابر دارالعلوم حقانیہ کی علمی اور ظاہری ترقیات پر اظہار مسرت اور اسکی بیش از بیش ترقیات کیلئے دعائیں فرماتے رہے۔ کتاب الآراء میں حضرت مدظلہٗ نے جو تازہ تاثرات ثبت فرمائے وہ حسب ذیل ہیں۔ اس کے آخر میں حضرت مولانا عزیر گل مدظلہٗ اسیر مالٹا نے بھی کلمات دعائیہ تحریر فرمائے ہیں۔

آج بتاریخ ۲۰ رجب ۱۳۸۸ھ احقر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حاضر ہوا۔ دارالعلوم حقانیہ کی عظیم الشان عمارت آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور اس عمارت کی روح تعلیم و تربیت اور دینی معاشرہ دل کے سامنے ہے۔ میں یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہوں گا۔ کہ دین و دیانت اور علم و فراست میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک دیوبند ثانی ہے۔ اس دارالعلوم کے بادیانت نظم کی روح حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام ظلہٗ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ ان کا دیکھ لینا حقانیہ کی حقانیت کو دیکھ لینا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ سلف صالحین کا علمی ترکہ یہاں پوری طرح سے محفوظ ہے۔ یہ اس علاقہ کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اس میں مولانا جیسی شخصیت اور حقانیہ جیسی درسگاہ موجود ہے۔ طلبہ کا بحمدللہ رجوع عام ہے۔ اور سب پر دین کے اثرات اور خشیت اللہ کا رنگ نمایاں طور پر محسوس ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس درسگاہ کو دائم و قائم رکھے۔ اسے علم کا روشن مینارہ بنائے رکھے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
نزیل حال۔ اکوڑہ خٹک ۲۰ رجب ۱۳۸۸ھ

حضرت مولانا محمد طیب صاحب چونکہ ہمارے سردار ہیں۔ اس لئے اپنی سعادت سمجھتا ہوں کہ اپنے طرف کچھ عرض نہ کروں بجز حضرت مولانا مذکور الصدر کی دعاؤں پر آمین کہوں۔ والسلام۔

بندہ محمد عزیر گل عفی عنہ

واردین و صادرین | حضرت قاری صاحب مدظلہ کی تشریف آوری سے چند گھنٹہ قبل عالم اسلام بالخصوص حرمین الشریفین میں تبلیغی جماعت کے مشہور رہنما حضرت مولانا سعید خان صاحب مدظلہ مکہ معظمہ معہ اکابر جماعت تبلیغی دارالعلوم پہنچے اور دارالحدیث میں علم کی فضیلت اور حقیقت اور اہل علم کی ذمہ داریوں اور علم کی روح پر ایک نہایت مؤثر اور رقت انگیز خطاب فرمایا چند گھنٹے قیام کے بعد حضرت محترم واپس چلے گئے۔ ۱۵؍ اکتوبر کو حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین مدظلہ غورغشتی نے ایک سفر کے دوران طلبہ و اساتذہ دارالعلوم کو اپنی زیارت اور دعاؤں سے نوازا۔

صدمہ جانکاہ اور اظہار تشکر

۲۲-۲۳؍ اکتوبر کی درمیانی شب کو دس بجے ہمشیرہ محترمہ کے انتقال کا حادثہ یکایک پیش آیا مرحومہ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ انتقال مرض ولادت میں ہوا۔ بچی ولادت سے تھوڑی دیر بعد ماں کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئی۔ جوانمرگ ہمشیرہ کی اچانک جدائی نے پورے خاندان کے دلوں کو مجروح کردیا ہے۔ بالخصوص والدین کے لئے تو اولاد کا یہ پہلا ہی صدمہ ہے۔ وفات کی اطلاع چند مخصوص اعزہ اور احباب کو دی گئی مگر یہ خبر راتوں رات جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اور ۲۳ کی صبح سے مہمانوں کا تانتا لگ گیا۔ نماز جنازہ ۲ بجے ہوا۔ ہزاروں افراد جن میں علماء، صالحین اور دیندار حضرات کی اکثریت تھی نے جنازہ میں شمولیت کی۔ اکوڑہ کی تاریخ میں یہ جنازہ اپنی نظیر آپ تھا اور علماء اور اہل اللہ کی شمولیت مرحومہ کی سعادتمندی کی علامت تھی۔ اس وقت سے لیکر اب تک تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بیشمار خطوط آرہے ہیں کئی جگہ مخلصین نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی کرایا۔ ان تمام حضرات کا پورا خاندان بالخصوص والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نہایت شکر گزار ہیں، اور دل کی گہرائیوں سے اس صدمہ میں ہمدردی کرنے والوں بالخصوص پورے اہل قصبہ کے رفع درجات کیلئے سب دست بدعا ہیں۔ جنہوں نے مہمانوں کی خاطر داری اور سارے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نیز اپنے تمام مخلص قارئین اور متعلقین سے مرحومہ کے حق میں دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ہم سب اللہ کی امانت ہیں۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی۔ بجز صبر و شکر کے چارہ نہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

غمزدہ سمیع الحق ـ اکوڑہ خٹک ـ ۸؍ شعبان ۱۳۸۸ھ